منصب رسالت ﷺ کی
عظمت و تکریم پر ایک
نہایت اثر انگیز کتاب

سیدِ کونین سلطانِ جہاں
ظلِّ یزداں، شاہِ دین عرش آستاں

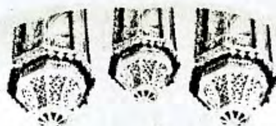
مقامِ مصطفیٰ ﷺ

شیخ الاسلام حضرت علامہ حافظ
محمد انوار اللہ
قادری چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ

پسند فرمودہ: علامہ حافظ خادم حسین رضوی

فدایانِ ختمِ نبوت پاکستان





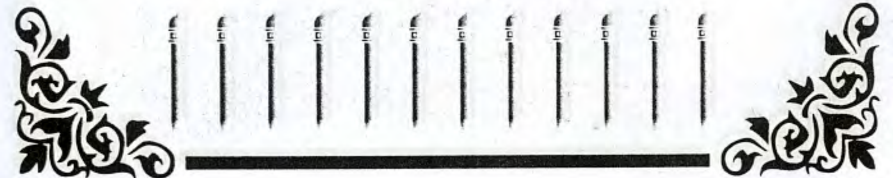
بسم الله الرحمن الرحيم




الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ   وعلیٰ آلک واصحابک یا سیدی یا حبیب اللہ



بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ
کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَآلِہٖ



وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

(اے محبوب ﷺ!) اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔

مقامِ مصطفیٰ ﷺ

تسہیل و تلخیص انوارِ احمدی

عظمت و شانِ رسالت، تحفظ و دفاعِ عقیدۂ ختمِ نبوت، فضائل درود و سلام
آدابِ بارگاہِ رسالت، تعظیم و توقیرِ نبوت، بارگاہِ رسالت میں صحابہ و اکابر اُمت کا شیوہ ہائے ادب
اسمِ رسول ﷺ کی فضیلت و تعظیم، اسمِ رسالت سُن کر انگوٹھے چُوم کر آنکھوں پر لگانے کی فضیلت و اہمیت
اور تاریخ فتنہ وہابیت پر ایک مستند و تاریخی کتاب

تصنیف: شیخ الاسلام حضرت علامہ حافظ محمد انوار اللہ قادری چشتی دَامَتْ اللّٰہُ تَعالیٰ
(صدر الصدور - حیدر آباد دکن)

تسہیل و تلخیص: رئیس التحریر حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ

پسند فرمودہ: علامہ حافظ خادم حسین رضوی حفظہ اللہ مرکزی امیر فدایانِ ختمِ نبوۃ پاکستان

ناشر: شعبہ نشر و اشاعت فدایانِ ختمِ نبوت پاکستان



نام کتاب	مقامِ مصطفیٰ ﷺ
تصنیف	شیخ الاسلام حضرت علامہ حافظ محمد انوار اللہ قادری چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ
تسہیل و تلخیص	رئیس التحریر حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ
ترتیب جدید	محمد یٰسین قصوری نقشبندی
ایڈیشن	اگست 2013ء / رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ

ناشر: شعبہ نشر و اشاعت فدایانِ ختمِ نبوت پاکستان
0324-4931192 0321-4370406



فہارس

تفصیلی فہرست



اجمالی فہرست

☆☆☆☆☆

تعارف



محمد یٰسین قصوری نقشبندی



ارشادِ مصطفیٰ کریم ﷺ ہے ﴿مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا فَاَکْثَرَ ذِکْرَہٗ﴾ یعنی آدمی کو جس چیز سے محبت ہوتی ہے وہ اسے بار بار یاد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ سے محبت مسلمان کی متاعِ حیات اور لازوال دولت ہے۔ اسی محبت کا نام ایمان بلکہ روحِ ایمان ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ ہمہ وقت انسان محبوب کی یاد میں شاغل و مصروف رہے۔ وہ اس قدر ذاکر و شاکر رہے کہ ذکرِ محبوب کی یاد کے آثار اُس کے اقوال، افعال اور معمولات سے عیاں ہوں۔ اس متاعِ لازوال میں جتنا اضافہ ہوگا اتنا ہی بارگاہِ محبوب کا قرب حاصل ہوگا۔ کتابِ ھدیٰ (قرآن کریم) اور تعلیماتِ نبوی ﷺ کا اہم درس بھی یہی ہے، جس پر اسلاف و اکابر اُمت نے عمل پیرا ہو کر بارگاہِ خداوندی اور بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں وہ کمال و عروج حاصل کیا جو کبھی زوال پذیر نہیں ہوسکتا۔

اسلافِ اُمّت نے نہ صرف تعلق باللہ اور محبت بالنبی ﷺ کی دولت حاصل کی بلکہ اپنے خدام میں تقسیم فرما کر اُن کے قلوب و اذہان اور ظاہر و باطن کو روشن کردیا۔ ان اکابر میں سے ایک، عالمِ ربانی، ولیِ کامل حضرت علامہ محمد انوار اللہ چشتی قادری رحمۃ اللہ علیہ (صدر الصدور، حیدر آباد دکن و خلیفہ مجاز شیخ الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ) تھے۔ آپ تا حیات معرفتِ الٰہی اور محبتِ رسول ﷺ کا تقریری و تحریری طور پر درس دیتے رہے۔ کتاب ''انوارِ احمدی'' بھی اسی سلسلے کی کاوش ہے جو حجازِ مقدس (حرمین شریفین) میں قیام کے دوران آپ نے محبتِ رسول ﷺ میں ڈوب کر تصنیف کی اور

از اوّل تا آخر اپنے مرشدِ حقانی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کو بطورِ تائید و تصدیق سنانے کا اعزاز حاصل کیا۔

کتاب ''انوارِ احمدی'' اپنے موضوعات و مضامین، دلائل و شواہد، علمی و تحقیقی ابحاث اور افادیت کے اعتبار سے ممتاز مقام کی حامل ہے۔ شیخ الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی اِس پر دو تقاریظ ہیں۔ ایک عربی میں اور دوسری اُردو میں۔ یہ کتاب آج سے سو سال قبل اُردو میں لکھی گئی اور شائع کی گئی تھی جو آج کے قارئین کے مزاج سے (بحوالہ زبان و بیان) ہم آہنگ نہیں ہوسکتی تھی۔ اس وجہ سے اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ اسے جدید اُردو کے تقاضوں کے مطابق ڈھالا جائے تاکہ عصرِ حاضر کے نوجوان بھی اس سے استفادہ کرسکیں۔

یہ سعادت عصرِ حاضر کے ممتاز مبلغ، مصنف، محقق، نقاد، ادیب حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ (انڈیا) کے حصہ میں آئی کہ انہوں نے ''انوارِ احمدی'' کی اہمیت کے پیشِ نظر نہ صرف جدید اُردو میں اس کی ''تسہیل و تلخیص'' لکھی بلکہ کتاب کے آغاز میں بطورِ پیش لفظ ''مصنفِ کتاب کا تعارف و خدمات'' لکھ کر ایک اہم ضرورت کو پورا کردیا۔ **جزاہ اللّٰہ تعالٰی فی الدارین خیر الجزاء.**

مکتبہ جامِ نور، نئی دہلی (انڈیا) کی طرف سے یہ ''تسہیل'' شائع ہوئی۔ مسعودِ ملّت، ماہرِ رضویات حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد مظہری رحمۃ اللہ علیہ (کراچی) کے مختصر تعارفی کلمات کے ساتھ یہ کتاب ''مقامِ مصطفیٰ ﷺ'' کے نام سے ادارہ علم و ادب، والٹن روڈ، لاہور کی طرف سے پاکستان میں پہلی بار شائع ہوئی۔ علاوہ ازیں

مختلف اداروں کی طرف سے اِس کے متعدد ایڈیشن عمدہ کاغذ اور معیاری طباعت سے شائع کر کے عوام میں مفت تقسیم کیے گئے۔

کتاب ''انوارِ احمدی'' متعدد ابواب اور کثیر فصول پر مشتمل تھی۔ حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ''تسہیل و تلخیص'' لکھی تو ابواب و فصول کو نظر انداز کرتے ہوئے ابحاث کے صرف عنوانات قائم کیے تھے۔ اب ہم نے قارئین کے لیے اس کتاب کو مزید آسان و معیاری بنانے کے لیے متعدد عنوانات کا اضافہ کیا ہے اور ترتیب جدید کے علاوہ اسے نوجوانوں کے ذوق سے ہم آہنگ کرنے کی خاطر اسے نو ابواب میں تقسیم کر دیا ہے' جو درج ذیل ہیں:

- پہلا باب: نعت گوئی کی فضیلت و اہمیت
- دوسرا باب: عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ و دفاع
- تیسرا باب: درود و سلام کے فضائل و کمالات
- چوتھا باب: قرآن اور منصب رسالت کی تعظیم و توقیر
- پانچواں باب: بارگاہِ رسالت ﷺ کے ادب و احترام کی عملی تعلیمات
- چھٹا باب: بارگاہِ رسالت ﷺ میں صحابہ کرام اور اکابرِ اُمت کا شیوہ ہائے ادب
- ساتواں باب: اسمِ رسول ﷺ کی فضیلت و توقیر
- آٹھواں باب: مصطفیٰ کریم ﷺ کا اسم گرامی سن کر انگوٹھے چومنے کا مسئلہ
- نواں باب: تاریخ فتنہ وہابیت

☆☆☆☆☆

مقدمۂ تسہیل



مسعودِ ملّت' ماہر رضویات حضرت علامہ

پروفیسر ڈاکٹر **مسعود احمد مظہری** رحمۃ اللہ علیہ (کراچی)



مبلغِ اسلام حضرت علامہ ارشد القادری مدظلہ العالی عالمِ اسلام کی جانی پہچانی علمی شخصیت ہیں۔ پاک و ہند بیرونی دنیا میں مسلکِ اہلسنت و جماعت کی انہوں نے اہم خدمات انجام دی ہیں۔ چند سال قبل دارالعلوم امجدیہ، کراچی میں اُن سے پہلی بار شرفِ نیاز حاصل ہوا، جب کہ وہ اہلِ سنت کی ایک تبلیغی جماعت (دعوتِ اسلامی) کا لائحہ عمل تیار فرما رہے تھے۔

پیشِ نظر کتاب علامہ ارشد القادری کی مساعی جمیلہ کے طویل سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ تقریباً 1980ء میں حضرت علامہ، حیدرآباد دَکن تشریف لے گئے، وہاں فاضل جلیل مولانا محمد انوار اللہ حیدرآبادی رحمۃ اللہ علیہ 1335ھ/ 1917ء کی تصنیفِ لطیف ''انوارِ احمدی'' ملاحظہ فرمائی جو 1305ھ مطابق 1888ء میں مکہ معظمہ میں قیام کے دوران لکھی گئی تھی۔ اس کتاب میں عقائد اہل سنت کو بڑے معقول اور دِل پذیر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا محمد انوار اللہ حیدرآبادی رحمۃ اللہ علیہ جنوبی ہند کی معروف علمی شخصیت ہیں۔ وہ جامعہ نظامیہ (حیدرآباد دَکن)، دائرۃ المعارف اور کتب خانہ آصفیہ کے بانی تھے، اکابرِ دیوبند مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی اشرف علی تھانوی کے شیخ طریقت حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اجل تھے۔

اس کتاب پر حضرت مہاجر مکی نے تقریظ لکھی ہے، جس میں وہ مولانا محمد انوار اللہ

حیدرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کو اِن الفاظ سے یاد فرماتے ہیں: ''حضرت علامہ زماں، فریدِ دوراں، عالمِ باعمل، فاضل بے بدل، جامع علومِ ظاہری و باطنی، عارف باللہ مولوی محمد انوار اللہ حنفی چشتی الخ۔''

کتاب انوار احمدی کے مندرجات کے لیے تحریر فرماتے ہیں: ''اس کتاب کے ہر مسئلے کی تحقیق محققانہ میں تائید ربانی پائی گئی۔''

وہ مسائل کیا ہیں جو اِس کتاب میں بیان کیے گئے ہیں؟

1. حضور انور ﷺ کی نعت گوئی
2. حضور انور ﷺ باعثِ ایجادِ عالم
3. حضور ﷺ کا ذکر اللہ ہی کا ذکر
4. عقیدۂ ختمِ نبوت
5. درود وسلام اور فضائل درود
6. حضور انور ﷺ کی غیبی قوتِ ادراک
7. قیامِ تعظیمی
8. منصبِ رسالت ﷺ کی تعظیم وتکریم
9. دربارِ رسالت ﷺ میں ادب واحترام
10. وسیلہ
11. انگوٹھے چومنا
12. تاریخ فتنۂ وہابیت۔ وغیرہ

حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سارے مسائل بنظرِ غائر ملاحظہ فرمائے اور پھر تصدیق کرتے ہوئے یہ تاریخی کلمات تحریر فرمائے: ﴿انما هذا مذهبی وعليه مدار مشربی﴾ یہی میرا مذہب ہے اور اِسی پر میرے مشرب ومسلک کا دار و مدار ہے۔

فاضلِ جلیل مولانا محمد انوار اللہ حیدرآبادی کا اندازِ تعلیم وتفہیم بڑا ہی دل پذیر ہے۔ وہ اپنی بات کو اس طرح سمجھاتے ہیں کہ دل میں اترتی چلی جاتی ہے۔ ایسے

فاضل کی تصنیف کی تسہیل و تلخیص کے لیے علامہ ارشد القادری جیسے فاضل کی ضرورت تھی۔ سو بحمد اللہ! یہ اہم کام اُن کی قلم سے انجام پایا۔ حضرت علامہ نے جو انداز اختیار فرمایا ہے وہ دورِ جدید کے قاری کی ضرورت اور مزاج کے مطابق ہے۔ اُنہوں نے ایک شمع جلائی ہے' اہلِ سنت کے دوسرے قلمکار اس شمع سے اپنی اپنی شمعیں جلائیں اور مسلک کی خدمت کریں۔

اس کتاب میں فاضل مرتب علامہ ارشد القادری نے دلائل و براہین سے یہ ثابت کیا ہے کہ اکابرِ دیوبند کے مخدوم و پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ''انوارِ احمدی'' میں بیان کردہ جن عقائد و افکار پر صاد فرمایا ہے وہ بعینہٖ وہی ہیں جو اپنی تصانیف میں امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش فرمائے ہیں۔ پھر اختلاف کس بات پر ہے اور خواہ مخواہ ضد' بحث سے ملّتِ اسلامیہ کو تفرقہ میں کیوں مبتلا کیا جا رہا ہے؟

فاضل مرتب کا یہ جذبۂ اتحاد بین المسلمین قابلِ ستائش ہے۔ ہم اسلام کے درسِ محبت و اُخوت سے بہت دُور جا رہے ہیں اور اِسلام ہمیں اتحاد و یگانگت کی طرف بُلا رہا ہے۔ آیئے اُس کی آواز پر لبیک کہیں' خاردار جھاڑیوں سے دامن چھڑائیں' پھولدار رَوِشوں پر چلتے جائیں جو سلف صالحین نے سجائی ہیں اور سورۂ فاتحہ میں جس کے جلوے دکھائے گئے ہیں۔

مرتب علاّم حضرت علامہ ارشد القادری نے سلف صالحین کی راہوں کو اجاگر کرنے کے لیے انوارِ احمدی سے اہم اقتباسات نقل فرمائے ہیں تاکہ مسلک اہلِ سنت کی حقانیت ثابت ہو اور دِن بدن جو تفرقہ بڑھتا جاتا ہے' جلد از جلد ختم ہو۔

اہلِ سنت کا ایک طبقہ امام احمد رضا کا پیرو ہے' دوسرا جو خود کو اہلِ سنت کہتا ہے'

مسلکِ دیوبند سے متعلق ہے۔ ایک خود کو بریلوی کہتا ہے' دوسرا خود کو دیوبندی' حالانکہ ایک صدی قبل یہ تقسیم نہ تھی' سب اہلِ سنت تھے۔ چنانچہ اب بھی تیسرا طبقہ وہ ہے جو خود کو صرف اہلِ سنت کہتا ہے۔

حضرت علامہ ارشد القادری نے عقائد و افکار کے اصل چہرے سے نقاب اٹھایا ہے اور یہ دکھایا ہے کہ جو خود کو بریلوی نہیں کہتا' وہ بھی حقیقت میں اُنہیں عقائد و افکار کا پیرو ہے جو اِمام احمد رضا اور دُوسرے بہت سے اکابرِ اہلِ سنت نے پیش کیے ہیں۔ اس لیے کیوں نہ ہم مل بیٹھ کر ٹھنڈے دل سے حقائق کا جائزہ لیں' اپنے عقائد و افکار کی اصلاح کر کے ایک کلی میں ضم ہو جائیں اور اُن سے الگ ہو جائیں جن کا سلسلہ فکر اِبلیس لعین اور ذوالخویصرہ جیسے گستاخوں سے ملتا ہے۔

فاضل مصنف مولانا محمد انوار اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے انوارِ احمدی کے آخر میں گستاخوں کی تاریخ کا مختصر جائزہ پیش کیا ہے' اس کو غور سے پڑھنا چاہیے پھر غور و فکر کرنا چاہیے کہ ہم کون ہیں' ہم کہاں جا رہے ہیں' ہم کو کس طرف جانا چاہیے؟ ہم کو کیا ہونا چاہیے؟ مولیٰ تعالیٰ فاضل مصنف علامہ محمد انوار اللہ حیدر آبادی اور فاضل مرتب علامہ ارشد القادری کی ان مساعی جمیلہ کو مقبول و مشکور فرمائے اور ملتِ اسلامیہ میں انقلابی فکر و خیال کی راہ ہموار فرمائے۔ آمین بجاہ سیّد المرسلین' رحمۃ للعالمین ﷺ

احقر: محمد مسعود

7-شوال المکرّم 1411ھ — 2K-سی پی ای سی ایچ سوسائٹی' کراچی

22-اپریل 1991ء — (سندھ' پاکستان)

☆☆☆☆☆

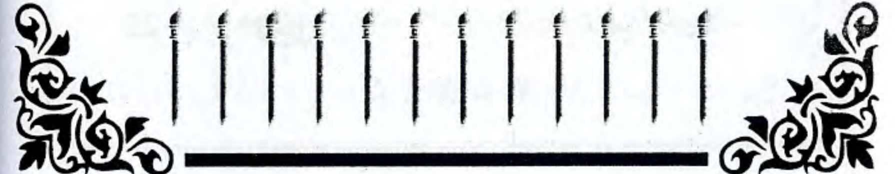


پیش لفظ



رئیس التحریر حضرت علامہ

ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ





اَلْحَمْدُ لِوَلِیِّہٖ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ وَنَبِیِّہٖ ○ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ صَحْبِہٖ ○ وَ مُحِبِّیْہِ وَ حِزْبِہٖ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ ○

﴿حیدرآباد کا ایک مبارک سفر﴾

آج سے تقریباً آٹھ نو سال پہلے ''مکہ مسجد'' حیدرآباد میں شہر کی مختلف تنظیموں کی طرف سے ایک پنج روزہ تبلیغی پروگرام رکھا گیا تھا جس میں ملک کے مختلف مشاہیر علمائے اہلِ سنت کے ساتھ دو دِن کے لیے میں بھی مدعو تھا۔ اجلاس میں عاشقانِ رسول ﷺ کا بے پناہ اژدہام اور اُن کا مذہبی جوش و خروش دیکھ کر میری مسرتوں کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ تقریروں کے دوران مجمع میں جذبات کے تلاطم کا عجیب عالم تھا۔ اُس دن میں نے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھا کہ سرکارِ کونین ﷺ کے ذکرِ جمیل سے سوکھی ہوئی رَگوں میں کس طرح زندگی کی لہر دوڑتی ہے اور تپے ہوئے الفاظ کی ضرب سے کس طرح غفلتوں کا نشہ اترتا ہے۔ کتنی ہی آنکھیں فرطِ محبت سے اشکبار تھیں اور کتنے ہی قلوب جذبۂ شوق میں مچل رہے تھے۔ اسی عالمِ خود فراموشی میں اہلِ محبت نے پانچ راتیں گزار دیں۔ دلوں کا حال تو اللہ جانتا ہے لیکن گھر لوٹنے والوں کی پیشانیوں سے امید کی جو کرن پھوٹ رہی تھی' اُس سے دلوں کی کیفیت کا کچھ نہ کچھ سراغ ضرور لگتا تھا۔

اجلاس سے فراغت کے بعد کئی دن حیدرآباد میں قیام کرنے کا موقع ملا۔ اُنہی

ایّام میں جنوبی ہند کی مشہور دَرس گاہ ''جامعہ نظامیہ'' کے اساتذہ کی دعوت پر اُس کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

جامعہ کی پُرشکوہ عمارتیں اور اُس کا حسنِ انتظام دیکھ کر بہت زیادہ خوشی حاصل ہوئی۔ایک بلند پایہ تعلیمی مرکز کو جن خوبیوں سے آراستہ ہونا چاہیے وہ ساری خوبیاں دامن کو کھینچتی تھیں کہ ہمیں دیکھو۔ جامعہ نظامیہ اپنے عظیم المرتبت بانی شیخ الاسلام حضرت علامہ حافظ شاہ انوار اللہ ﷫ کی نسبت سے ایک باوقار دَارالعلوم اور ایک عظیم مرکزِ علم وفن کی حیثیت سے سارے اقطارِ ہند میں جانا پہچانا جاتا ہے۔ جامعہ میں حاضری کے موقع پر وہاں کے اساتذہ نے ازراہِ علمی قدردانی حضرت شیخ الاسلام کی چند گرانقدر تصنیفات بھی مجھے عنایت فرمائیں۔جن میں ''مقاصد الاسلام'' اور ''انوارِ احمدی'' خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

انوارِ احمدی کا مطالعہ کر کے میں حضرت فاضلِ مصنف کے تبحر علمی، وسعتِ مطالعہ، ذہنی استحضار، قوتِ تحقیق، ذہانت ونکتہ رَسی اور بالخصوص اُن کے جذبہ حُبِ رسول ﷺ اور حمایتِ مذہب اہلِ سنت کی قابل قدر خصوصیات سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔

﴿کتاب کی خصوصیات﴾

یہ گراں قدر کتاب فضائل رسول ﷺ اور اختلافی مسائل پر اس درجہ اطمینان بخش معلومات فراہم کرتی ہے کہ اسے ایک بار پڑھ لینے کے بعد کوئی بھی انصاف پسند آدمی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کوئی بات بھی بغیر دلیل

کے نہیں کہی گئی ہے۔خاص طور پر آیات واحادیث اور بیان کردہ واقعات کے ذیل میں مصنف نے تبصرہ کے طور پر جو نتائج سپردِ قلم فرمائے ہیں، وہ بالکل نشتر کی طرح دلوں میں چبھ جاتے ہیں اور اِن میں اتنی معقولیت ہوتی ہے کہ دل کے انکار کے باوجود دَماغ کو ایمان لانا پڑتا ہے۔

﴿حضرت شاہ حاجی امداداللہ مہاجر مکی ﷫ کی تقریظ﴾

اس کتاب کی ایک خصوصیت اور بھی ہے جو ساری خصوصیات پر حاوی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت شیخ المشائخ حاجی امداداللہ مہاجر مکی ﷫ نے اِس کتاب کی سطر سطر اور حرف حرف کی تصدیق فرمائی ہے جو اُردو اور عربی زبان میں کتاب کے شروع میں درج ہے۔

حضرت مہاجر مکی ﷫ نے اختلافی مسائل پر اس کتاب کے جملہ مشتملات کی تصدیق کر کے ان لوگوں کے لیے قبولِ حق کا کام آسان کر دیا ہے جو اُنہیں اپنے بزرگوں کا بھی بزرگ مانتے ہیں۔اس کتاب پر حضرت موصوف کی تقریظ اُردو میں بھی ہے اور عربی میں بھی۔

﴿اُردو تقریظ﴾

اردو تقریظ کا یہ حصّہ خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہے۔تحریر فرماتے ہیں: ''اِن دنوں ایک عجیب وغریب کتابِ لاجواب مسمّٰی بہ ''اَنوارِ احمدی'' مصنفہ حضرت علامۂ زماں وفرید دوراں، عالمِ باعمل وفاضلِ بے بدل، جامع علومِ ظاہری وباطنی، عارف باللہ مولوی محمد انوار اللہ حنفی وچشتی سَلَّمَہٗ اللہ تعالیٰ فقیر کی نظر سے گزری، اور بلسانِ حق

ترجمان مصنف علامہ اوّل سے آخر تک سنی۔ اِس کتاب کے ہر ہر مسئلے کی تحقیقِ محققانہ میں تائیدِ ربانی پائی گئی کہ اِس کا ایک ایک جملہ اور فقرہ امدادِ مذہب اور مشربِ اہلِ حق کی کر رہا ہے اور حق کی طرف بلاتا ہے۔"

﴿انوارِ احمدی، ص: ی﴾

اس تقریظ میں تحقیقِ محققانہ، تائیدِ ربانی، امدادِ مذہبِ اہلِ حق اور دعوتِ حق کے گرانقدر الفاظ خاص طور پر محسوس کرنے کے قابل ہیں کہ یہ ایک مرشدِ روشن ضمیر کے الہامی کلمات ہیں۔

﴿عربی تقریظ﴾

عربی زبان میں رقم کردہ تقریظ اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن بے حد جامع اور نا قابلِ انکار حقائق پر مشتمل ہے۔ مصنف کی زبان سے کتاب کی سماعت کے بعد اپنے قلبی تاثرات کا اِظہار اِن لفظوں میں فرماتے ہیں: ﴿وَجَدْتُهُ مُوَافِقًا لِسُنَّةِ السَّنِيَّةِ فَسَمَّيْتُهُ بِالْاَنْوَارِ الْاَحْمَدِيَّةِ وَاِنَّمَا هٰذَا مَذْهَبِيْ وَعَلَيْهِ مَدَارُ مَشْرَبِيْ يَقْبَلُهُ رَبُّ الْمَقْبُوْلِيْنَ وَجَعَلَهُ ذَخِيْرَةً لِيَوْمِ الدِّيْنِ﴾ میں نے اس کتاب کو سنتِ کریمہ کے مطابق پایا اس لیے میں نے اس کتاب کا نام "انوارِ احمدی" رکھا۔ یہی میرا مذہب ہے اور اِس کے مشتملات پر ہی میرے مسلک و مشرب کا مدار ہے۔ مقبول بندوں کا پروردگار اِسے قبول فرمائے اور اسے ذخیرۂ آخرت بنائے۔"

اس تقریظ میں بھی موافقِ سنت، میرا مذہب، میرے مشرب کا مدار اور ذخیرۂ آخرت کے الفاظ خاص طور پر توجہ سے پڑھنے کے قابل ہیں۔

اب اپنے قارئینِ کرام کے سامنے کتاب سے چند ایسے اقتباسات پیش کرنا چاہتا ہوں جن کی حقانیت پر شیخ المشائخ حضرت مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مہرِ توثیق ثبت فرمائی ہے اور جنہیں اپنا مذہب، اپنے مشرب کا مدار اور امدادِ مذہبِ اہلِ حق قرار دیا ہے۔

مجھے امید ہے کہ قارئین کرام ان اقتباسات کو کلماتِ تقریظ کی روشنی میں پڑھیں گے اور اپنی آنکھوں سے عصبیت کی وہ ساری عینکیں اتار دیں گے جنہوں نے تلاشِ حق کے مسافروں کو ہمیشہ گمراہ کیا ہے۔

﴿اقتباسات﴾

❶ پہلا اِقتباس:

● ﴿انکارِ ختمِ نبوت کے حوالے سے مولوی محمد قاسم نانوتوی کی فلسفیانہ بحث کی مذمت﴾

حضورِ اقدس ﷺ کے آخری نبی ہونے کے انکار میں "تحذیر الناس" کی فلسفیانہ بحث کی مذمت کرتے ہوئے فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں: "اب ہم ذرا اُن صاحبوں سے پوچھتے ہیں کہ اب وہ خیالات کہاں ہیں جو ﴿كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ﴾ یعنی ہر نئی چیز گمراہی ہے، پڑھ پڑھ کر ایک عالَم کو دوزخ میں لے جا رہے تھے۔ کیا اس قسم کی بحثِ فلسفی بھی کہیں قرآن و حدیث میں وارد ہے؟ یا قرونِ ثلاثہ میں کسی نے کی تھی؟ پھر ایسی بدعتِ قبیحہ کے مرتکب ہو کر کیا استحقاق پیدا کیا اور اِس مسئلہ میں جب تک بحث ہوتی رہے گی اس کا گناہ کس کی گردن پر ہوگا؟

دیکھئے! حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی روایت سے حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اسلام میں کوئی بُرا طریقہ نکالے تو اُس پر

جتنے لوگ عمل کرتے رہیں گے سب کا گناہ اُس کے ذمّہ ہوگا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کچھ کمی نہ ہوگی۔'' (رواہ مسلم)

﴿انوارِ احمدی، ص:50﴾

❷ دوسرا اِقتباس:

● ﴿انکارِ ختمِ نبوت کے حوالے سے مولوی محمد قاسم نانوتوی کا تعاقب﴾

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ''اس مقام پر غیظ میں ڈوبے ہوئے قلم کا ذرا چبھتا ہوا طنز ملاحظہ فرمائیے۔''

تحذیر الناس کے مصنف کا تعاقب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''بھلا جس طرح حق تعالیٰ کے نزدیک صرف آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں، ویسا ہی اگر آپ کے نزدیک بھی رہتے تو اس میں آپ کا کیا نقصان تھا؟ کیا اس میں بھی کوئی شرک و بدعت رکھی تھی جو طرح طرح کے شاخسانے نکالے گئے؟

یہ تو بتایئے! کہ ہمارے حضرت نے آپ کے حق میں ایسی کون سی بدسلوکی کی تھی جو اس کا بدلہ اس طرح لیا گیا کہ فضیلتِ خاصّہ بھی مسلّم ہونا مطلقاً ناگوار ہے۔ یہاں تک کہ جب دیکھا کہ خود حق تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ آپ سب نبیوں کے خاتم ہیں تو کمال تشویش ہوئی کہ فضیلتِ خاصّہ ثابت ہوئی جاتی ہے۔ جب اس کے ابطال کا کوئی ذریعہ دینِ اسلام میں نہ ملا تو فلاسفہ معاندین کی طرف رجوع کیا اور امکانِ ذاتی کی شمشیر دوم (دودَھاری تلوار) اُن سے لے کر میدان میں آ کھڑے ہوئے۔''

﴿انوارِ احمدی، ص:50﴾

❸ تیسرا اِقتباس:

● ﴿اہمیت عقیدۂ ختمِ نبوت﴾

غیرتِ محبت کا تقاضا ابھی پورا نہیں ہوا، عقیدۂ ختمِ نبوت پر ڈالا ہوا گردوغبار جب تک بالکل صاف نہ ہو جائے، دل کو اطمینان کیونکر حاصل ہوسکتا ہے۔ بحث کا طویل سلسلہ ختم کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضور ﷺ کے سامنے تورات کے مطالعہ کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو اِس پر آنحضرت ﷺ کی حالت کیسی متغیر ہوگئی کہ چہرۂ مبارک سے آثارِ غضب پیدا تھے۔ باوجود خُلقِ عظیم کے ایسے جلیل القدر صحابی پر کیسا عتاب فرمایا تھا، جس کا بیان نہیں۔ جو لوگ تقرب و اخلاص کے مذاق سے واقف ہیں، وہی اس کیفیت کو سمجھ سکتے ہیں۔ پھر یہ فرمایا کہ اگر خود حضرت موسیٰ علیہ السلام میری نبوت کا زمانہ پاتے تو سوائے میرے اتباع کے اُن کے لیے کوئی چارہ نہ ہوتا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صحابی با اخلاص کی صرف اتنی حرکت اِس قدر ناگوارِ طبعِ غیور ہوئی تو کسی زید و عمر کی اِس تقریر سے جو خود خاتمیتِ محمدی میں شک ڈال دیتی ہے، حضور ﷺ کو کیسی اذیّت پہنچتی ہوگی۔ کیا یہ ایذا رسانی خالی جائے گی؟ ہرگز نہیں! حق تعالیٰ فرماتا ہے ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا﴾ جو لوگ ایذا دیتے اللہ اور اُس کے رسول کو، لعنت کرتا ہے اللہ اُن پر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور تیار کر رکھا ہے ان کے لیے ذلت کا عذاب۔''

﴿انوارِ احمدی، ص:52﴾

④ چوتھا اِقتباس:

● ﴿مذمتِ انکارِ قیامِ دُرود وسلام﴾

صلوٰۃ وسلام کی بحث میں حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے جو ہندو پاک میں قیام وسلام کے منکرین ومخالفین کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ایک مقام پر حضرت مصنف انہیں متنبہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''اب ہم اُن حضرات سے پوچھتے ہیں جن کے مشرب میں نبی ﷺ کی قدر چنداں ضروری نہیں ہے۔کیا آپ حضرات نے خدا کی بھی کچھ قدر کی یا وہ بھی صرف زبانی دعویٰ ہے کیونکہ اس آیت شریفہ سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کی قدر کتنی ہے کہ ان پر ہمیشہ کے لیے اپنا صلوٰۃ بھیجنا ظاہر فرماتا ہے۔پھر اگر ان کے دلوں میں حق تعالیٰ کی عظمت ہوتی تو آنحضرت ﷺ کی عظمت بھی دل میں متمکن ہونی چاہیے تھی لیکن جب ان کے دل نبی ﷺ کی عظمت سے خالی ہیں تو اس سے ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب کی جو قدر دانی اور عزت افزائی فرمائی ہے اس کی کچھ وقعت ان کے دلوں میں نہیں ہے اور یہ بالکل منافی وعدائے عظمت کبریائی ہے۔''

﴿انوارِ احمدی ص: 101﴾

⑤ پانچواں اِقتباس:

● ﴿مذمتِ انکارِ تعظیم واحترامِ رسول ﷺ﴾

جو لوگ منصبِ رسالت ﷺ کی ناقدری کرتے ہوئے تعظیم واحترام کی بجا آوری سے گریز اور انکار کرتے ہیں اُن کے خلاف اتمامِ حجت کرتے ہوئے تحریر

فرماتے ہیں۔اس عبارت میں غیرتِ حق کا تیور خاص طور پر محسوس کرنے کے قابل ہے: ''میری دانست میں کسی مسلمان کا عقیدہ ایسا نہیں ہوگا۔کیونکہ جملہ اہلِ اسلام جانتے ہیں کہ شیطان اسی بات پر مردود ٹھہرایا گیا کہ اس نے نبی کی تعظیم سے انکار کیا اور اُن کی بے قدری کا مرتکب ہوا۔اسی طرح جس کے دل میں درود وسلام کی وقعت نہ ہو اُس کے نزدیک حق تعالیٰ کی بھی عظمت نہیں ہے۔اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ حق تعالیٰ کی تعظیم کا اس کو صرف دعویٰ تھا مگر دل میں اس کا اثر نہ تھا۔اس کی مثال بعینہٖ ایسی ہوئی جیسے کفارِ مکہ حق تعالیٰ کو خالقِ ارض وسماء کہتے تھے مگر بت پرستی اور اُس کے لوازم اُن کے اِس قول کو باطل کیے دیتے تھے۔''

﴿انوارِ احمدی ص: 101﴾

⑥ چھٹا اِقتباس:

● ﴿اہمیتِ دُرود وسلام بر خیر الانام ﷺ﴾

اس موضوع پر حضرت فاضل مصنف کی تنبیہات کا یہ حصہ بھی دیدۂ انصاف سے پڑھنے کے قابل ہے: ''بڑے افسوس کی بات ہے کہ خود شاہِ کونین ﷺ جن سے ہر طرح کی اُمیدیں وابستہ ہیں (صلوٰۃ وسلام کی شکل میں) ایک قسم کا ہدیہ ہم سے طلب فرمائیں اور اِس کی کچھ پرواہ نہ کی جائے۔پھر یہ بھی نہیں کہ اعترافِ قصور ہو بلکہ مخالفت میں ایسی دلیلیں قائم کی جاتی ہیں کہ اگر حضور ﷺ کی رغبت کے موافق عمل کیا جائے تو اس میں قباحت لازم آجائے گی۔''

﴿انوارِ احمدی ص: 100﴾

❼ ساتواں اِقتباس:

● ﴿عظمتِ رسالت ﷺ کے خلاف تقریر کرنے والوں کی مذمت﴾

اس موضوع پر حضرتِ مصنف کی ایک عبارت اور ملاحظہ فرمائیں: ''صرف ایک یا دو بار دُرود شریف ادائے فرض کے خیال سے پڑھ لینا اور ایسی تقریریں کرنا کہ مسلمانوں کی رغبت کم ہو جائے' مسلکِ اہلِ سنت و جماعت کے خلاف ہے اور خلاف مرضی آنحضرت ﷺ بلکہ خلاف مرضی حق تعالیٰ بھی ہے۔''

﴿انوارِ احمدی' ص:105﴾

❽ آٹھواں اِقتباس:

● ﴿نماز میں حضورِ اقدس ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر سلام پیش کرنے کو شرک قرار دینے کی مذمت﴾

سلام کی بحث میں حضرت مصنف کی یہ عبارت بھی ان لوگوں کی پشت پر ایک تازیانہ ہے جو نماز میں حضور ﷺ کی طرف خیال لے جانے کو شرک کہتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں: ''الحاصل ہر مسلمان کو چاہیے کہ نماز میں آنحضرت ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر سلام عرض کرے اور شک نہ کرے کہ اس میں شرک فی العبادت ہو گا کیونکہ شارع کی طرف سے اس کا امر ہو گیا تو اب جتنے خیالات اس کے خلاف ہیں' وہ سب بیہودہ اور فاسد سمجھے جائیں گے۔ اس میں چون و چرا کرنا ایسا ہی ہو گا جیسے ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کے سجدے میں کیا تھا۔ اب یہ بات بھی محسوس کرنی چاہیے کہ جب سلام کا مرتبہ ایسا ہوا کہ عبادت محضہ یعنی نماز کا ایک حصہ اس کے لیے خاص کیا گیا تو دوسرے

اوقات میں اس کا کس قدر اہتمام کرنا چاہیے اور آداب ملحوظ رکھنا چاہیے؟''

﴿انوارِ احمدی' ص:165﴾

❾ نواں اِقتباس:

● ﴿حضورِ اقدس ﷺ کی بے ادبی کی مذمت﴾

قرآن عظیم کی وہ آیت کریمہ جس میں نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند کرنے کی سخت ممانعت آئی ہے اور ایسے لوگوں کے خلاف ضبطِ اعمال کی لرزہ خیز سزا سنائی گئی ہے۔

اُس کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں: ''اب ہر عاقل کو چاہیے کہ اس پر قیاس کرے کہ جب ادنیٰ بے ادبی کا یہ عبرتناک انجام ہے تو صریح گستاخیوں کا کیا انجام ہو گا؟ یہاں ایک بات اور سمجھ لینی چاہیے کہ اتنی سی بے ادبی کی جو اتنی سخت سزا مقرر کی گئی ہے تو اس کے لیے آنحضرت ﷺ کی طرف سے کوئی درخواست نہ تھی بلکہ اس کا منشاء صرف غیرتِ الٰہی تھا کہ اُس کے حبیب کریم ﷺ کی کسی طرح کسرِ شان نہ ہو۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام ہمیشہ خائف و ترساں رہتے تھے کہ کہیں ایسی کوئی حرکت صادر نہ ہو جائے جس سے غیرتِ الٰہی جوش میں آ جائے۔ پھر جب آنحضرت ﷺ اس عالمِ فانی سے تشریف لے گئے تو کیا حضرت کی محبوبیت یا کبریائی میں فرق آ گیا؟ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ.

کوئی مسلمان بھی اس کا قائل نہ ہو گا کیونکہ صفاتِ الٰہی میں کسی قسم کا تغیر ممکن نہیں ہے۔ پس ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس آیتِ کریمہ کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے اور آنحضرت کے ساتھ ظاہر و باطن میں ایسا مؤدب رہے جیسا صحابہ رہتے تھے۔ یہ نہ سمجھے کہ صرف

حضرت کے رُوبرو اَدب کی ضرورت تھی اب نہیں ہے۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ اپنے حبیبِ کریم ﷺ کا ہمیشہ حامی ہے۔''

﴿انوارِ احمدی، ص:206﴾

⑩ دسواں اِقتباس:

● ﴿بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کے آداب﴾

یہودی مذہب کے لوگ جب حضورِ اقدس ﷺ سے گفتگو کرتے تو آپ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے ﴿رَاعِنَا﴾ کہا کرتے تھے؛ جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ حضور ہماری رعایت فرمائیں یعنی اچھی طرح بات ذہن نشین کرادیں۔ چنانچہ اُنہیں دیکھ کر صحابہ کرام بھی حضور ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے ﴿رَاعِنَا﴾ کہنے لگے۔

لیکن یہودیوں کے یہاں ﴿رَاعِنَا﴾ کا لفظ گالی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا تھا اور یہودی ﴿رَاعِنَا﴾ کے لفظ سے یہی مراد لیتے تھے۔ اس بنیاد پر حق تعالیٰ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اب تم ﴿رَاعِنَا﴾ کے بجائے ﴿اُنْظُرْنَا﴾ کہا کرو جسے کا مطلب یہ ہے کہ حضور ہماری طرف نگاہِ کرم مبذول فرمائیں یعنی اُس لفظ کا استعمال ہی ترک کر دو؛ جس میں توہین کا بھی ایک پہلو ہے۔

جب صحابہ کرام کو معلوم ہوا کہ اس لفظ میں اہانت کا مفہوم بھی شامل ہے تو اُنہوں نے اعلان کر دیا کہ جس کی زبان سے بھی یہ کلمہ سنو اُس کی گردن مار دو۔ اس کے بعد پھر کسی یہودی نے اس کلمہ کا استعمال نہیں کیا۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''ہرچند

صحابہ کرام اس لفظ کو نیک نیتی سے تعظیم کے محل میں استعمال کرتے تھے مگر چونکہ دوسری زبان میں یہ گالی تھی؛ اس لیے حق تعالیٰ نے اس کے استعمال سے منع فرما دیا۔ اب یہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس لفظ میں کنایۃً بھی توہین نہ تھی؛ صرف دوسری زبان کے لحاظ سے استعمال اس کا ناجائز ٹھہرا تو وہ الفاظِ ناشائستہ جن میں صراحۃً حضور ﷺ کی کسرِ شان ہو کیونکر جائز ہوں گے؟ صرف مؤمنین کو مخاطب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے الفاظ نیک نیتی سے بھی استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ پھر سزا اس کی یہ ٹھہرائی گئی کہ جو شخص یہ الفاظ کہے خواہ کافر ہو یا مسلمان اس کی گردن مار دی جائے۔ بالفرض اگر کوئی مسلمان بھی یہ لفظ کہتا تو اس وجہ سے کہ حکم عام تھا۔ بے شک اس کی گردن مار دی جاتی اور کوئی یہ نہ پوچھتا کہ اس لفظ سے تمہاری مراد کیا تھی؟ اب غور کرنا چاہیے کہ جو الفاظ خاص توہین کے محل میں مستعمل ہوتے ہیں؛ اُنہیں آنحضرت ﷺ کی نسبت استعمال کرنا خواہ صراحۃً ہو یا کنایۃً؛ کس درجہ قبیح ہوگا؟''

﴿انوارِ احمدی، ص:212﴾

⑪ گیارھواں اِقتباس:

● ﴿بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کی بے ادبی کی سزا﴾

اسی موضوع پر حضرت فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی یہ دردانگیز عبارت پڑھیے: ''اگر صحابہ کے رُوبرو جن کے نزدیک ﴿رَاعِنَا﴾ کہنے والا مستوجبِ قتل تھا؛ کوئی اس قسم کے الفاظ استعمال کرتا تو اس کے قتل میں کچھ تامل ہوتا یا سزا سے بچنے کے لیے تاویلات واردہ کچھ مفید ہو سکتیں؟ ہرگز نہیں!

مگراب سوا اِس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ اُس زمانے کو یاد کر کے اپنی بے بسی پر رو دیا جائے۔ اب پرانے خیالات والے وہ پختہ کار کہاں ہیں جن کی حمیت نے اسلام کے جھنڈے شرق وغرب میں گاڑ دیے تھے۔ ان خیالات کے جھلملاتے ہوئے چراغ کو آخری زمانے کی ہوا نہ دیکھ سکی۔ میدان خالی پا کر جس کو جو چاہتا ہے کمال جرأت کے ساتھ کہہ دیتا ہے۔ پھر اِس دیدہ دلیری کو دیکھیے کہ جو گستاخیاں اور بے ادبیاں قابلِ سزا تھیں' اُنھی پر ایمان کی بناء قائم کی جارہی ہے۔ جب ایمان یہ ہوتو بے ایمانی کا مضمون کیا ہوگا؟''

﴿انوارِ احمدی' ص:213﴾

⑫ بارھواں اِقتباس:

● ﴿بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کے آداب کی تعلیم﴾

ایک آیت کریمہ کا شانِ نزول بتاتے ہوئے حضرت فاضل مصنف ﷫ تحریر فرماتے ہیں: ''اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس بات سے حضور ﷺ کو گرانیٔ خاطر مبارک ہو یا کسی قسم کا ملال ہو' حق تعالیٰ کو کمال ناپسند اور نہایت ناگوار ہے۔ شاید بعض لوگ سمجھتے ہوں گے کہ قرآن شریف صرف توحید اور اَحکام معلوم کرانے کے لیے نازل ہوا ہے۔ مگر یقین ہے کہ جب ان آیات میں غور وتأمل کیا جائے گا تو ضرور یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ قرآن شریف علاوہ احکام کے آنحضرت ﷺ کی عظمت اور آداب سے بھی بندوں کو رُوشناس کراتا ہے۔ جب آنحضرت ﷺ کی ادنیٰ گرانیٔ خاطر کا لحاظ حق تعالیٰ کو اس قدر ہے تو وہ باتیں جو سراسر کسرِ شان کی ہیں' کس قدر غیرتِ الٰہی کو جوش میں لاتی ہوں گی؟''

﴿انوارِ احمدی' ص:216﴾

⑬ تیرھواں اِقتباس:

● ﴿حضور ﷺ کے ساتھ بھائی کا رشتہ جوڑنے کی مذمت﴾

کنز العمال کے حوالہ سے حضرت فاضل مصنف ﷫ نے ایک حدیث نقل فرمائی کہ حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کے عہدِ خلافت میں ایک دیہاتی نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا آپ خلیفۂ رسول اللہ نہیں؟ جواب ارشاد فرمایا کہ میں خلیفہ نہیں بلکہ خالفہ ہوں۔ خالفہ گھر کے اُس فرد کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی خوبی نہ ہو۔ چونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں' اس لیے از راہِ ادب انہوں نے اپنے آپ کو اس لفظ کے مصداق نہیں سمجھا۔ اس لفظ کو ایسے لفظ میں تبدیل کر دیا جس میں خلافت کا مادہ بھی باقی رہا اور اَدب بھی ہاتھ سے نہیں گیا۔

اس واقعہ پر حضرت فاضل مصنف ﷫ کا یہ ایمان افروز تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

''جب حضرت ابوبکر ﷛ جیسے مسلم الثبوت خلیفۂ راشد اپنے آپ کو حضور کا خلیفہ کہنے میں تامل کریں تو اُن لوگوں کے حق میں ہم کون سا لفظ استعمال کریں جو نہایت دلیری سے حضور ﷺ کے ساتھ بھائی کا رشتہ جوڑتے ہیں؟

معلوم نہیں اس برابری سے ان کا کیا مقصد ہے؟ اگر اپنے آپ کو حضور ﷺ سے ملانا اور اپنی فضیلت ظاہر کرنا مقصود ہے تو حضور کی وہ خصوصیات جو کسی نبی مرسل کو بھی نصیب نہیں ہوئیں اِن کے اندر کہاں سے پیدا ہو جائیں گی؟ اگر اپنے برابر کر کے حضور کی شان کا تنزل اور گرانا مقصود ہے تو اِن لوگوں پر ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾

کا مضمون صادق آتا ہے۔ غرض کسی طرف سے بھی اس کلمہ میں خیر کی کوئی راہ نہیں ہے۔"

﴿انوارِ احمدی' ص: 234﴾

⑭ چودھواں اِقتباس:

● ﴿ایک صحابی اور بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کے آداب﴾

حضرت امام طبرانی ؒ کے حوالہ سے فاضل مصنف نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ کے ایک صحابی حضرت اسلع ابن شریک ؓ فرماتے ہیں کہ میں سفر میں حضور ﷺ کی اونٹنی پر کجاوہ باندھا کرتا تھا جس پر آپ تشریف فرما ہوتے تھے۔ ایک رات مجھے نہانے کی حاجت ہوگئی' اسی درمیان حضور نے کوچ کا ارادہ فرمایا' اب میں سخت کش مکش میں مبتلا ہوگیا کہ کیا کروں؟ سخت سردی کی وجہ سے ٹھنڈے پانی سے غسل بھی نہیں کرسکتا تھا اور دوسری طرف طبیعت کو کسی طرح گوارا نہ تھا کہ ناپاکی کی حالت میں آپ کے کجاوہ کو ہاتھ لگاؤں۔ بالآخر میں نے ایک انصاری سے کہا اور انہوں نے اُس دن کجاوہ باندھنے کی سعادت حاصل کی۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف ؒ کے یہ گراں قدر کلمات ملاحظہ فرمائیں: "سبحان اللہ! کیا ادب تھا کہ جس کجاوہ میں آنحضرت ﷺ تشریف رکھتے تھے اس کی لکڑیوں کو حالتِ جنابت میں ہاتھ لگانا گوارا نہ تھا۔ اگر بچشمِ انصاف دیکھا جائے تو منشاء اس کا محض ایمان ہی دکھائی دے گا جس سے ایسے پاکیزہ خیالات ان حضرات کے دلوں میں پیدا ہوگئے تھے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ نہ عموماً وہاں اس قسم کے اُمور کی تعلیم تھی اور نہ صراحۃً ترغیب وتحریص۔ اگر کوئی شخص اپنے متعلق ایمانِ حقیقی کا

دعویٰ کر کے یہ کہے کہ یہ خیالات ایامِ جاہلیت کے ہوں گے تو مجھے یقین نہیں آتا کہ کوئی ایماندار شخص اس کلام کی طرف التفات کرے گا۔

بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ چودھویں صدی والا خوش اعتقادی میں خیر القرون والے صحابیوں سے بڑھ جائے؟ الحاصل جب ان لکڑیوں کا اس قدر ادب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ بزرگانِ دین کا جس قدر ادب کیا جائے' محمود ہے۔ اب ذرا زمانے کا انقلاب دیکھیے کہ خیر القرون کے بعد لوگوں کو اُن حضرات کے مسلک سے کس قدر دُور کردیا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ معاملہ بالکل برعکس ہوگیا ہے' حالانکہ اس طرح کے اُمور کی تعلیم عموماً انہیں نہ تھی۔ مگر اُن کے دل اتنے ہی مہذب اور مؤدب تھے کہ قسم قسم کے آداب اور طرح طرح کے حسنِ عقیدت پر دلالت کرنے والے افعال خود ایجاد کر لیتے تھے اور اصولِ شرعیہ پر اُن کو منطبق کر لیتے تھے جن کا سمجھنا بھی اس زمانے میں شاید بآسانی نہ ہو سکے۔ کیوں نہ ہو کہ ان حضرات کے وہ دل تھے جن کو تمام بندوں کے دلوں پر فضیلت ہونے کی وجہ سے حق تعالیٰ نے صحابیت کے واسطے منتخب فرمایا۔"

﴿انوارِ احمدی' ص: 245﴾

⑮ پندرھواں اِقتباس:

● ﴿محبتِ رسول ﷺ اور اس کے تقاضے﴾

فاضل مصنف ؒ نے حضرت قاضی عیاض ؒ کی شفاء شریف کے حوالہ سے حضرت ابوایوب سختیانی ؓ کے متعلق یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت امام مالک ؒ نے بیان کیا کہ حضرت ابوایوب سختیانی ؓ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسا عشق تھا

کہ جب وہ حضور ﷺ کا ذکر کرتے تو اس قدر روتے کہ مجھے ان کے حال پر رحم آنے لگتا۔ ان کی یہ والہانہ کیفیت دیکھ کر میں نے ان کی شاگردی قبول کر لی۔

اس واقعہ کے ضمن میں حضرت فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''اب ذرا امام سختیانی رضی اللہ عنہ کے دل کی یہ کیفیت ملاحظہ فرمائیے کہ کس درجہ عظمت و محبت ان کے دل پر چھائی ہوئی تھی جس سے وہ حالت پیدا ہو جاتی تھی جو اَدب سے بڑھی ہوئی ہے۔ یہ اثر اسی ذکرِ مبارک کا تھا جو مسلمانوں کے دلوں میں علیٰ حسب مراتب ایمان کو تازہ کرتا ہے۔

سبحان اللہ! وہاں تو ذکر شریف سے وہ حالت پیدا ہوئی کہ بڑے بڑے فاضل معاصرین سے انہیں افضل بنا دیا اور یہاں ہنوز اس کے جواز و عدم جواز ہی میں اختلاف پڑا ہوا ہے بلکہ وہ تدبیریں نکالی جاتی ہیں کہ کہیں ذکر شریف کی مجلس ہی نہ ہونے پائے۔ بھلا سوچیے تو سہی کہ ذکر شریف کی مجلسیں ہوا کریں اور اِس کی برکتیں مسلمانوں میں پھیلتی رہیں تو اِس سے کسی کا کیا نقصان ہے؟''

﴿انوارِ احمدی، ص: 247﴾

⑯ سولہواں اِقتباس:

● ﴿بارگاہِ رسالت ﷺ کے ادب واحترام کو شرک قرار دینے کی مذمت﴾

تعظیم وادب سے متعلق حضرت فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے دو اقتباس اور ملاحظہ فرمائیں۔ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں: ''وہ (صحابہ کرام) ہر قسم کے آداب خود ایجاد کرتے تھے اور اُن پر کوئی اعتراض بھی نہیں کرتا تھا، اس لیے کہ اس وقت تک بے ادبی کی بنیاد نہیں پڑی تھی۔ اگر چند خودسروں نے بنیاد ڈالی بھی تھی تو اُن کی بداعتقادیوں

نے انہیں مؤمنین مخلصین کے دائرہ سے خارج کر دیا تھا اور دوسرے نام کے ساتھ انہیں مشتہر کر دیا تھا۔ اس لیے کوئی اُن کی باتوں پر کان نہیں دھرتا تھا۔ اس آخری زمانے کا یہ حال ہے کہ باوجودیکہ اُن حضرات نے جن کی پیروی ہمارے لیے ضروری ہے، قسم قسم کے آداب کی ہمیں تعلیم دی۔ اب اگر اُن کی پیروی میں آج کسی سے اس قسم کے افعال صادر ہو جائیں تو ہر طرف سے اعتراض کی بوچھاڑ ہونے لگتی ہے۔ صرف اعتراض ہی نہیں بلکہ شرک تک نوبت پہنچا دی جاتی ہے۔ حق تعالیٰ ہم مسلمانوں کو ادب نصیب فرمائے۔''

﴿انوارِ احمدی، ص: 246﴾

⑰ سترھواں اِقتباس:

● ﴿حضور اقدس ﷺ کا اسم گرامی سننے پر انگوٹھا چوم کر آنکھوں کو لگانے کی فضیلت﴾

حضرت فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ آخری اقتباس ہوش و گوش کے ساتھ پڑھیے۔ موصوف تقبیل اِبہامین یعنی حضور اقدس ﷺ کا نام پاک سن کر انگوٹھا چومنے اور آنکھوں سے لگانے کا جواز ثابت کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ''الحاصل دین میں ادب کی نہایت ضرورت ہے اور جس کسی کی طبیعت میں گستاخی اور بے ادبی کا مادہ ہوگا، اس کی دینداری میں کچھ نہ کچھ خرابی ضرور ہوگی۔ سبب اس کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے مقابلے میں گستاخانہ انداز سے ﴿اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ﴾ کہا اور ابدالآباد کے لیے مردودِ بارگاہِ کبریائی ٹھہرا، اُسی وقت سے آدمیوں کی عداوت اس کے دل میں جمی اور اُن کی خرابی کے درپے ہوا۔ اس کے لیے مختلف قسم کی تدابیر اس نے سوچیں مگر اِس غرض کے لیے وہی تدبیر اسے سب سے بہتر نظر آئی جس کا تجربہ خود اس کو

اپنی ذات پر ہو چکا تھا کہ گستاخی اور بے ادبی مردود بارگاہ بنانے میں نہایت زبردست اثر رکھتی ہے۔ اسی لیے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ کی عام تعلیم اس نے شروع کر دی۔ چنانچہ ہر زمانے کے کفار انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں یہی کہا کرتے تھے۔"

﴿انوارِ احمدی' ص:275﴾

﴿اقتباسات کے ذیل میں قابلِ غور نکات﴾

❶ معیارِ حقانیت:

یہ سارے اقتباسات کتاب سے منتخب کر کے میں نے اس لیے یہاں جمع کیے ہیں تا کہ جو لوگ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے بزرگوں کا مقتدائے اعظم مانتے ہیں' وہ اِن اقتباسات کی روشنی میں اُن کے مسلک و مشرب کا اندازہ لگائیں اور ٹھنڈے دل سے یہ فیصلہ کر سکیں کہ سرورِ کونین ﷺ کی محبت و تکریم اور ایمان و عقیدت کا صحیح تقاضا کیا ہے؟ ہندو پاک میں کون سا طبقہ اِن تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور کون اسے شرک و بدعت قرار دیتا ہے؟

❷ حقانیت سے انحراف:

خصوصیات کے ساتھ اِس مقام پر محسوس کرنے کی چیز یہ ہے کہ ان اقتباسات میں جنوبی ہند کے ایک مقتدر پیشوا نے منصبِ رسالت کے حقوق و آداب پر اپنے جن افکار و عقائد کا برملا اظہار کیا ہے اور جن کی حقانیت پر علمائے دیوبند کے مرشدِ برحق نے اپنی مہرِ توثیق ثبت فرمائی ہے' وہ شمالی ہند کے اعلیٰ حضرت کی آواز سے بالکل ہم

آہنگ ہے یا نہیں؟

پھر حق و انصاف کا یہ کتنا بڑا خون ہے کہ بریلی کے اعلیٰ حضرت کو تو بدعت و غلو کے الزام سے مطعون کیا جائے اور وہی بات مرشدِ برحق فرمائیں تو نہ اُن پر غلو کا الزام عائد کیا جائے اور نہ اُنہیں بدعتی ٹھہرایا جائے۔

❸ اہلِ حق پر مظالم:

اس کتاب کے فاضل مصنف نے بھی اپنی کتاب میں جگہ جگہ اُن ایذاء رسانیوں اور زیادتیوں کا ذکر کیا ہے جو خوش عقیدہ مسلمانوں کے ساتھ کی جاتی ہیں۔ کبھی اُنہیں مشرک کہا جاتا ہے' کبھی ان پر بدعتی ہونے کا الزام عائد کیا جاتا ہے اور کبھی انہیں اندھی عقیدت میں گمراہی کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ یہ ساری گالیاں انہیں صرف اس لیے دی جاتی ہیں کہ وہ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں اپنے اعتقاد اور کردار و گفتار کے ساتھ مؤدب رہنا چاہتے ہیں اور اپنے قول و عمل سے حبِ رسول ﷺ کا وہ تقاضا پورا کرتے ہیں جو ائمہ دین اور اکابر اُمت سے انہیں ورثے میں ملا ہے۔

❹ اہلِ باطل پر ایک مستقل اعتراض:

پچھلے اَوراق میں کتاب کے جو اقتباسات نقل کیے گئے ہیں' آپ انہیں غور سے پڑھیے۔ ان میں تعظیم و ادب کے جو وظائف و مظاہر ذکر کیے گئے ہیں اور شیخ المشائخ نے اپنی تقریظات میں جنہیں اپنا مذہب اور اپنے مشرب کا مدار قرار دیا ہے' اگر فی الواقع وہ بدعاتِ سیئہ کے قبیل سے ہیں تو سوال اُٹھتا ہے کہ جو لوگ شیخ المشائخ کو اپنے بزرگوں کا مرشد برحق سمجھتے ہیں' کیا وہ ان پر بھی بدعتی ہونے کا الزام عائد کر سکتے

ہیں؟ میں یقین کرتا ہوں کہ وہ ہرگز اس کی جرأت نہیں کریں گے کیونکہ اس کے بعد ہی یہ سوال اُن کے سروں پر لٹکتی ہوئی تلوار بن جائے گا کہ کتاب وسنت کی رُو سے کیا ایک بدعتی' مرشدِ طریقت بنائے جانے کا اہل ہے؟

⑤ حق تعالیٰ کے حضور فریاد:

پھر یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ جس بات پر یہاں سب کی زبانیں بند ہیں' اسی بات پر برصغیر کے اہل سنت کو لائقِ گردن زَدنی ٹھہرایا جاتا ہے۔ ہم اپنی مظلومی کی فریاد اُسی کی بارگاہ میں کرتے ہیں جو سب پر غالب اور سب کا یاور ہے۔

﴿اِنَّمَا اَشْكُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْ اِلَى اللّٰهِ﴾

﴿ کتاب کے بارے میں چند معروضات ﴾

اقتباسات کے پس منظر میں جس اہم ترین نکتے کی طرف مجھے اس کتاب کے قارئین کی توجہ مبذول کرانی تھی' میں اس فرض سے سبکدوش ہو گیا۔ اب میں اس کتاب کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب اپنے فکر انگیز مضامین' اپنے ایمان افروز مواد اور حقائق کے اظہار میں اپنے جرأتمندانہ کردار کے لحاظ سے قطعاً اس لائق تھی کہ ہر مسلمان اس کے مطالعہ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتا اور عشق وایمان کی حرارت سے اپنے دل کے احساسات کو گرم رکھنے کے لیے اسے حرزِ جاں بناتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ سخت افسوس ہوا کہ ان ساری خوبیوں کے باوجود اِس کتاب کو وہ ہمہ گیر شہرت حاصل نہیں ہو سکی جس کی بجا طور پر وہ مستحق تھی۔

اس کی چند وجوہات میری نظر میں یہ ہیں:

① سب سے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس عظیم الشان کتاب کو عوام تک پہنچانے کے لیے حضرت فاضل مصنف کے معتقدین وتلامذہ کو جو اہتمام کرنا چاہیے تھے' انہوں نے کما حقہٗ نہیں کیا۔ خصوصیت کے ساتھ ''جامعہ نظامیہ'' کے منتظمین اور وہاں کے اساتذہ کی ذمہ داری تھی کہ موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق کتاب کو نئی ترتیب وتہذیب کے ساتھ آراستہ کر کے دیدہ زیب کتابت وطباعت کے ساتھ ملک گیر پیمانے پر اس کی اشاعت کا اہتمام کرتے تاکہ جنوبی ہند کی ایک عبقری شخصیت کے علمی نوادرات سے برصغیر کی دنیا پوری طرح روشناس ہو جاتی۔ پھر بھی ان کی مساعی سے نشر واشاعت کا جس حد تک کام ہوا' وہ بہر حال قابلِ تحسین ہے لیکن منصوبہ بندی کے ساتھ کام کیا جاتا تو نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

② دوسری وجہ یہ ہے کہ کتاب کے مصنف چونکہ اپنے عہد کے استاذِ بے بدل' یکتائے روزگار اور ماہر علوم وفنون تھے' اس لیے ان کی تحریر میں خالص علمی زبان کا رنگ غالب ہے۔ زبان کے رخ سے کتاب کی سطح اتنی اُونچی ہو گئی کہ کم علم عوام کے درمیان وہ اچھی طرح رائج نہیں ہو سکی۔

③ تیسری وجہ یہ ہے کہ 1305ھ میں جب فاضل مصنف نے تیسری بار حجازِ مقدس کا سفر کیا تو تین سال تک اُنہیں مدینہ منورہ میں سکونت پذیر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اسی موقع پر اس کتاب کی تصنیف عمل میں آئی' جیسا کہ حضرت کی اس سوانح سے پتہ چلتا ہے جو کتاب کے آخر میں منسلک ہے۔

اس بنیاد پر آج اس کتاب کی تصنیف کو سو برس سے زائد ہو گئے۔ سو برس پہلے کی

اردو زبان چونکہ بالیدگی اور بلوغ کے مراحل سے نہیں گزر سکی تھی اس لیے اس وقت کی تحریر افہام و تفہیم کے اعتبار سے جس اغلاق و تنگ دامنی کی حامل ہوسکتی ہے وہ ساری باتیں اس کتاب کے اندر موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب زبان کی پیچیدگی کی وجہ سے عبارت کا مفہوم ہی سمجھ میں نہ آئے تو کسی تصنیف میں حقائق و معارف کے ہزار جواہرات بکھرے ہوئے ہیں کم استعداد اور سطحی ذہن رکھنے والوں کو اس کا کیا پتہ؟

④ چوتھی وجہ یہ ہے کہ ترتیب کے لحاظ سے بھی کتاب میں ابواب و فصول اور الگ الگ مباحث کی پورے طور پر نشاندہی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں پوری کتاب میں ذیلی عنوانات کے بغیر بحث در بحث کا طویل سلسلہ اخیر تک پھیلا ہوا ہے۔ پھر مزید براں مصنف کی عادت کریمہ یہ ہے کہ وہ اپنا کوئی دعویٰ دلیل کے بغیر تشنہ نہیں چھوڑتے۔ دلیل پیش کرنے میں بھی التزام یہ ہے کہ کتابوں سے اصل عربی عبارتیں صفحے کے صفحے اپنے مدعا کے اثبات میں نقل کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح ایک بحث مکمل نہیں ہو پاتی کہ کسی دعوے کے ذیل میں دوسری بحث شروع ہوجاتی ہے۔

ان خصوصیات کی وجہ سے کتاب کی علمی سطح اتنی اُونچی ہوگئی ہے کہ عوام کے فہم کی رسائی وہاں تک نہیں ہوسکتی۔

آمدم برسرِ مطلب:

ان ساری وجوہات کے باوجود کتاب کی علمی اور دینی افادیت اپنی جگہ پر ہے۔ سچ پوچھیے تو اِسی افادیت کی کشش نے میرے اندر اِس جذبۂ شوق کی تحریک پیدا کی کہ میں اس کتاب کے حقائق و معارف اور اِس کے مفاہیم و معانی کو آج کی زبان میں

نقل کروں۔ اس کے پھیلے ہوئے مباحث کو سمیٹ کر اتنا مختصر اور سہل کردوں کہ عامۃ المسلمین بھی اس سے بھرپور استفادہ کرسکیں۔

اسی طرح جنوبی ہند کے افق سے چمکنے والی روشنی شرق و غرب کے آفاق پر پیدۂ سحر بن کر نمودار ہو۔ شمال و جنوب کے علمائے اہلِ سنت کے درمیان اجنبیت کی وہ دیوار ٹوٹ کر گر جائے جو ایک عرصہ دراز سے حائل ہے۔ مسلکِ حق کی حمایت میں جنوبی ہند کی ایک بے مثال علمی شخصیت کے مجاہدانہ کردار سے ہندوپاک کی ساری سُنّی دنیا واقف ہوجائے۔

میرے یہ پاکیزہ مقاصد اگر اپنے اندر اہلِ حق کے لیے کوئی کشش رکھتے ہوں تو مجھے امید ہے کہ حسنِ التفات کے ساتھ میری اِن حقیر کوششوں کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ خصوصیت کے ساتھ میں جنوبی ہند کے اہلِ سنن سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپنے ہی گھر کے ایک گنج گراں مایہ کو ہر طالبِ حق کے دامن تک پہنچانے کے لیے اُس والہانہ جذبے سے کام لیں گے جو حق کے علمبرداروں کا شیوہ ہے تاکہ منصبِ رسالت ﷺ کے احترام کی بنیاد پر جنوب و شمال کے درمیان آواز کی ہم آہنگی کا ایک نیا دور شروع ہو۔

کتاب کی تلخیص و تسہیل میں میرے قلم کے ناگزیر تصرفات

اس کتاب کے قارئین پر میں اس حقیقت کو واضح کردینا چاہتا ہوں کہ اس کتاب کی تلخیص و تسہیل میں میرے قلم نے کیا کیا تصرف کیا ہے تاکہ اس کتاب کی جدید تصنیف کا الزام میرے اوپر عائد نہ ہو۔ ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

① جگہ جگہ میں نے کتاب کے مباحث کے نئے نئے عنوانات قائم کرکے کتاب

کے مضامین کو مختلف ٹکڑوں میں بانٹ دیا ہے تاکہ متوسط ذہن کے لوگ بھی کتاب کے
مضامین کو محفوظ کرسکیں۔

❷ بہت سے مقامات پر مصنف کے مراد کی وضاحت میں نے اپنے الفاظ میں کی
ہے' تاکہ شگفتہ اور سلیس زبان کے ذریعہ عبارت کا مفہوم اچھی طرح قارئین کے ذہن
نشین ہوجائے۔ لیکن اکثر مقامات پر فاضل مصنف کے تاثرات خود اُنھی کے الفاظ میں
بعینہٖ نقل کردیے ہیں۔ ان میں بھی کہیں کہیں مفہوم کی وضاحت کے لیے مشکل الفاظ کو
آسان لفظوں میں یا آسان پیرایۂ بیان میں بدلنا پڑا ہے لیکن ایسی جگہیں بہت کم ہیں۔

❸ حوالوں کے لیے صرف کتابوں' مصنفوں اور راویوں کے نام لکھے گئے ہیں۔
آسانی کے لیے عربی کی اصل عبارتوں کے بجائے ان کے سلیس اردو ترجمے پر اکتفا کیا
گیا ہے لیکن قرآن کی آیات بلفظہٖ نقل کی گئی ہیں۔ کہیں کہیں عربی عبارتوں کا اردو
ترجمہ کرتے ہوئے زورِ بیان کے لیے عربی عبارتوں کے ایک آدھ جملے بھی بلفظہٖ نقل
کردیے گئے ہیں۔

❹ کہیں کہیں بحث کے کسی حصے پر یا مصنف کی کسی عبارت پر میں نے اپنے
الفاظ میں تبصرہ کیا ہے اور تبصرہ میں اُن نکتوں کو دیانتداری کے ساتھ واضح کرنے کی
کوشش کی ہے' جو بحث کے سیاق میں چھپے ہوئے ہیں تاکہ کتاب کی ہر بحث عوام کی
ذہنی سطح سے قریب ہوجائے۔

❺ جس مقام پر علمی سطح کی کوئی مشکل بحث تھی وہاں میں نے عبارت کا خلاصہ اپنی
زبان میں بیان کردیا ہے تاکہ اہلِ علم کے علاوہ عام قارئین بھی اس سے استفادہ کرسکیں۔

❻ کتاب کی تلخیص کرتے ہوئے میں نے صرف اُن بنیادی مباحث کو سامنے

رکھا ہے جو اصل مقصود ہونے کی حیثیت سے فاضل مصنف کے پیشِ نظر ہیں اور
آسان پیرایۂ بیان میں اُنہی کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔

❼ فاضل مصنف نے جہاں جہاں بھی منکرینِ عظمتِ رسالت ﷺ کے خلاف
قلم اٹھایا ہے' وہاں ان کے جذبۂ ایمان کی ترنگ دیکھنے کے قابل ہے۔ سطر سطر زُلفِ
جاناں کی خوشبو سے معطر ہے اور لفظ لفظ عشق و وَفا کی غیرت میں بھیگا ہوا ہے۔ اسے
جذبۂ عقیدت ہی کا تصرف کہیے کہ اس طرح کے مقامات پر عبارت اتنی شگفتہ اور قلم اتنا
رواں ہوگیا ہے کہ پہچاننا مشکل ہے۔

ان سارے مقامات پر مصنف کی عبارت جوں کی توں نقل کی گئی ہے تاکہ کسی کو یہ
عذر کرنے کا موقع نہ ملے کہ حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے جس عبارت کی
توثیق فرمائی ہے' اس میں رَدوبدل کردیا گیا ہے۔

❽ کتاب کے آخر میں فتنۂ وہابیت کی تاریخ حضرت مصنف نے بڑی تفصیل
سے لکھی ہے۔ میں نے اسے سمیٹ کر مختصر کردیا ہے تاکہ مسلمانوں کے ذہن میں اِس
ایمان سوز فتنہ کی تاریخ اچھی طرح مستحضر ہوجائے۔

﴿انوارِ احمدی کا سببِ تالیف﴾

شیخ الجامعہ حضرت مولانا محمد عبدالحمید صاحب کتاب کے پیش لفظ میں اِس کے
سببِ تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "تخلیقِ انسان کے ساتھ ہی اس
مقصدِ تخلیق کی تکمیل کے لیے خالقِ کائنات کی جانب سے رُشد و ہدایت کا سلسلہ بھی
شروع کیا گیا اور یہ سلسلہ سیّد المرسلین خاتم الانبیاء ﷺ پر ختم کردیا گیا۔"

قرآن اور آدابِ رسول ﷺ:

آپ کا مرتبۂ بلند و درجہ عالیہ کو ظاہر کرنے کے لیے قرآن مجید میں نہایت تاکید کے ساتھ اُمت کو آپ کے ادب و احترام اور آپ کی تعظیم و توقیر کو پوری طرح ملحوظ رکھنے کا حکم محکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا ﴿لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ﴾ یعنی نبی اکرم ﷺ کے ساتھ گفتگو کے وقت خبردار اپنی آواز بلند مت کرو۔ بلکہ تنبیہ کی گئی کہ اگر آواز کو بلند کیا جائے گا تو تمام اعمال ضائع کر دیے جائیں گے۔ یہ کہ آپ کی قیام گاہ پر حاضر ہوں تو باہر سے آپ کو آواز دینے کے بجائے خود آپ کی تشریف آوری کا انتظار کریں۔ آپ کی بارگاہ میں اپنا کوئی مقدمہ پیش کریں تو آپ جو فیصلہ صادر فرمائیں اس کو بلا کسی تنگیٔ قلب کے قبول کر لیں اور اس کو قبول نہ کرنا ایمان کے منافی ہونے کی علامت ہوگی۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مخلص اور جلیل القدر صحابہ کرام گفتگو اس قدر پست آواز میں کرتے کہ دوبارہ کہلوانے کی نوبت آتی۔ جب آپ کی بارگاہِ عالی میں حاضر ہوتے تو اس قدر اَدب و احترام اور سکوت و خاموشی کے ساتھ باادب بیٹھتے کہ گویا اُن کے سروں پر پرندہ بیٹھا ہوا ہے کہ ذرا سی حرکت سے اُڑ جائے گا۔

بے ادب گروہ کی ابتداء:

یہ حال تو اللہ کے نیک اور مخلص بندوں کا تھا مگر وہ لوگ جن کے دلوں میں کفر پوشیدہ تھا وہ موقع بموقع کچھ نہ کچھ گستاخی کا اظہار کرتے۔ چنانچہ ایک دفعہ اُنہی کے ایک شخص نے مالِ غنیمت کی تقسیم کے موقع پر ﴿اِعْدِلْ یَا مُحَمَّدُ﴾ کا نعرہ لگایا، یعنی

اے محمد! انصاف کرو۔

یہ سن کر حضور اقدس ﷺ کا چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمایا ﴿اِنْ لَّمْ اَعْدِلْ فَمَنْ یَّعْدِلْ﴾ یعنی اگر میں عدل و انصاف سے کام نہ لوں تو کون ہے جو انصاف کرے گا؟ فاروقِ اعظم ؓ کو یہ گستاخانہ جملہ اس قدر ناگوار ہوا کہ حضور ﷺ کا پاسِ ادب نہ ہوتا تو اُسی وقت اُس کی گردن اُڑا دیتے۔

جب آپ نے آنحضور ﷺ سے اُس کی گردن اُڑا دینے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا: اس قبیل کا ایک گروہ ہوگا جو ظاہری حیثیت سے نہایت عبادت گزار ہوں گے کہ ان کی عبادتوں کو دیکھ کر تم اپنی عبادتوں کو حقیر سمجھو گے۔ اسی سلسلہ میں حضور ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا ﴿كُلَّمَا طَلَعَ قُطِعَ﴾ یہ سینگ نکالیں گے تو کاٹ دی جائے گی مگر کچھ عرصہ کے بعد پھر نمودار ہوگی۔

یہ سلسلہ اُس وقت سے برابر جاری ہے۔ اہلِ حق اُن کے مقابل ہمیشہ کمربستہ رہے ہیں۔ ''انوارِ احمدی'' بھی اسی سلسلے کی ایک زرین کڑی ہے۔

اس لیے حقائق آگاہ، عارف باللہ حضرت علامہ محمد انوار اللہ ؒ نے مدینہ طیبہ کے دورانِ قیام میں حضور اقدس ﷺ کے اخلاقِ حسنہ اور آپ کے ادب و احترام سے متعلق صحابہ کرام کے طریقہ عمل کو نظم میں قلم بند فرما کر پھر بحوالۂ احادیث اُن کی تشریح و توضیح فرمائی۔ جسے حضرت ممدوح کے مرشد، مرشد العلماء حضرت حاجی امداد اللہ ؒ سُن کر بہت محظوظ و مسرور ہوئے اور اِس کا نام ''انوارِ احمدی'' تجویز فرمایا۔

بلاشبہ اس میں انوارِ رسالت ﷺ پوری آب و تاب کے ساتھ نمایاں ہیں، جس

سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ موجودہ دور میں آنحضور ﷺ کے ادب واحترام کے خلاف جولوگ آواز بلند کرتے ہیں' وہ اسی گروہ کے افراد ہیں جن کی نسبت پیشین گوئی فرمائی گئی تھی کہ جب یہ سینگ نکلے گی کاٹی جائے گی اور پھر وہ نکلے گی۔ محافظ حقیقی' عالمِ اسلام کو اُن کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن۔"

اس اقتباس میں حضرت شیخ الجامعہ کے پیش لفظ کا یہ حصہ خاص طور پر قابلِ توجہ ہے: "موجودہ دور میں آنحضور ﷺ کے ادب واحترام کے خلاف جولوگ آواز بلند کرتے ہیں' وہ اسی گروہ کے افراد ہیں جن کی نسبت پیشین گوئی فرمائی گئی تھی کہ جب یہ سینگ نکلے گی کاٹی جائے گی اور پھر وہ نکلے گی۔"

اگرچہ شیخ الجامعہ نے ان لوگوں کا نام نہیں لیا ہے جو آنحضور ﷺ کے ادب و احترام کے خلاف آواز بلند کرتے رہتے ہیں لیکن میلاد و قیام' صلوٰۃ وسلام' تعظیم و عقیدت کی ساری روایات متوارثہ کے خلاف آج جو طبقہ شہر شہر اور قریہ قریہ میں اہلِ سنّت کے ساتھ برسرِ پیکار ہے' اس کا نام نہ بھی لیا جائے جب بھی ہندو پاک کی ساری اسلامی دنیا اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ "انوارِ احمدی" کے سببِ تالیف کے سلسلے میں حضرت شیخ الجامعہ کے اس بیان کا ہم پُر جوش خیر مقدم کرتے ہیں کہ احادیث میں جس گستاخ فرقے کی نشاندہی کی گئی ہے' اس کے خلاف چودہ سو برس سے اہلِ حق جو مسلسل جہاد کرتے چلے آرہے ہیں' انوارِ احمدی بھی اسی سلسلے کی ایک زرین کڑی ہے۔

﴿اختلافی مسائل میں فاضل مصنف ؒ کا نقطۂ نظر﴾

اگرچہ "انوارِ احمدی" کا صفحہ صفحہ اس حقیقت کے اظہار کے لیے ایک شفاف آئینہ

ہے کہ اختلافی مسائل میں فاضل مصنف کا مؤقف کیا ہے؟ لیکن حضرت موصوف کی وہ طویل نظم جو مدینہ طیبہ کے دوران قیام میں مرصّع ہوئی اور جس کی تشریح وتوضیح میں انوارِ احمدی لکھی گئی' وہ اختلافی مسائل میں ان کے مذہبی مؤقف کی ایک کھلی ہوئی دستاویز ہے۔ جیسا کہ اُس طویل نظم کے وجود میں آنے کا قصہ خود فاضل مصنف نے اس کتاب کی تمہید میں بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: "جس زمانے میں آقائے دارین نے بنظرِ کمال بندہ پروری اس ناچیز کی حضوری افضل البلاد مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفاً میں منظور فرمائی تھی' وہاں چند روز ایسے گزرے کہ کوئی کام درس وتدریس وغیرہ کے متعلق نہ رہا۔ چونکہ نفس ناطقہ بیکار نہیں ہے' اس لیے یہ بات دل میں آئی کہ چند مضامین میلاد شریف وفضائل ومعجزات سرورِ عالم ﷺ کے کتب احادیث وسِیَر سے منتخب کر کے منظوم کیے جائیں۔"

﴿انوارِ احمدی' ص: ج﴾

﴿سیرِ گلستانِ عقیدت﴾

اب ذیل میں اُس مُسدّس نظم کے چند بند ملاحظہ فرمایئے جو گلشن کے مہکتے ہوئے پھولوں کی طرح حسنِ عقیدت کی خوشبو سے مشام جان کو بھی معطر کرتے ہیں اور مشامِ ایمان کو بھی۔

❶ فضیلتِ انبیاء کرام و اولیاء عظام: ذکرِ مصطفیٰ ﷺ کی رفعتوں پر ایک وجدانی دلیل قائم کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ٹھہرا کفارہ گناہوں کا جو ذکرِ اولیاء   اور از قسم عبادت ہو جو ذکرِ انبیاء

پھر ہو ذکرِ سرورِ عالم کا کیسا مرتبہ   جن کا ذکر پاک ہے گویا کہ ذکرِ کبریا

رفعِ ذکرِ پاک ثابت ہے کلام اللہ سے
مطمئن ہوتے ہیں دل ذکرِ شہِ لولاک سے

❷ فضیلتِ درود شریف: اب درود شریف کے عنوان پر فکرِ رسا کا ایک جلوہ دیکھیے۔ارشاد فرماتے ہیں:

جو کہ پڑھتا ہو درود، اس کو شفاعت ہو نصیب   راضی ہوگا حق، گواہی دیں گے جب اسکے حبیب
عرش کا سایہ ملے گا، ہوگا حضرت کے قریب   ہو گا روزِ عید اس کو حشر کا روزِ مہیب

اور اس کثرت سے ہوگا نور اُس دن اس کے ساتھ
جس کی وسعت میں سما سکتی ہو ساری کائنات

❸ عظمتِ نعتِ مصطفیٰ ﷺ: نعت شریف کی فضیلت پر اپنے جذبۂ دل کو شعر کے قالب میں ڈھالتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

نعت وہ ہے جس کا حضرت نے کیا خود اہتمام   حق تعالیٰ نے لیا جملہ نبیوں سے یہ کام
ہو جو محروم اس سے، ہے ایمان اُس کا ناتمام   اور جو دشمن ہو، اُس کے کفر میں پھر کیا کلام

کی بذاتِ خود خدا نے نعت جب محبوب کی
پھر ثنا دل سے کریں کیونکر نہ سب محبوب کی

❹ تخلیقِ نورِ مصطفیٰ ﷺ: تخلیقِ نورِ مصطفیٰ ﷺ کا تذکرہ کرتے ہوئے جو اچھوتا پیرایہ بیان اختیار کیا ہے، وہ دلوں کو چھو لیتا ہے:

یعنی جب خالق نے چاہا غیب کا اظہار ہو   اور عبودیت کا ساری خلق میں اقرار ہو

فیض بخش کن فکاں گنجینۂ اسرار ہو   گنج تاریک عدم جولانگہ انوار ہو

نور سے اپنے کیا اک نور پیدا بے مثال
اور محمد اس کا رکھا نام حمداً لایزال

❺ ظہورِ نورِ مصطفیٰ ﷺ: ظہورِ نورِ قدسی کی منظر کشی بہت سے لوگوں نے کی ہے لیکن حضرت ممدوح کا پیرایۂ بیان کس غضب کا ہے کہ آنکھیں فرطِ اثر سے بھیگ جاتی ہیں اور دل مسرتوں کے تلاطم میں ڈوبنے لگتا ہے۔فرماتے ہیں:

پس وہ نورِ پاک رب العالمین پیدا ہوئے   مبداءِ کونین ختم المرسلین پیدا ہوئے
جانِ عالم قبلۂ اہلِ یقین پیدا ہوئے   شکر ایزد رحمۃ للعالمین پیدا ہوئے

دھوم تھی عالم میں خورشیدِ کرم طالع ہوا
ہاں کریں تعظیم اب نور قدم طالع ہوا

❻ جشنِ میلادِ مصطفیٰ ﷺ: ساری دنیا کے خوش عقیدہ مسلمان ولادت باسعادت کا دن نہایت محبت و احترام اور ذوق و شوق کے ساتھ مناتے ہیں لیکن ایک طبقہ آتشِ غیظ میں سلگتا رہتا ہے۔عید میلاد النبی ﷺ کے جواز پر حضرت ممدوح نے ایسی اچھوتی دلیل پیش کی ہے کہ اس بند کو پڑھیے اور سر دھنیے۔ارشاد فرماتے ہیں:

سامعین سے ہے توقع غور فرمائیں ذرا   تھا ذبیح اللہ کا فرحت فزا جو واقعہ
وہ معیّن روز، روزِ عید ٹھہرایا گیا   تہنیت کے سب رسوم اُس روز ہوتے ہیں ادا

روزِ میلادِ نبی جس میں تھا وہ کچھ اہتمام
ہو نہ کیونکر واجب تعظیمِ پیشِ حق مدام

⑦ **برموقع جشنِ میلادِ مصطفےٰ ﷺ قیام:** میلاد کے ساتھ قیام کا رشتہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے پھول کے ساتھ خوشبو کا۔ عرب وعجم کے سارے مؤمنین، قائمین میلاد دو قیام کی معنوی لذتوں سے عشق وعقیدت کا نور اور دِل کا سرور حاصل کرتے ہیں لیکن کچھ لوگوں کے دلوں میں یہ دونوں چیزیں کانٹے کی طرح چبھتی ہیں۔ حضرت ممدوح نے اپنے اس بند میں میلاد و قیام کے جواز پر نہایت مسکت اور تشفی بخش دلیل پیش کی ہے۔ منکرین بھی تعصب کی عینک اتار کر اگر اس بند کو پڑھیں تو کچھ بعید نہیں کہ وہ بھی ایمان لے آئیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

مجلسِ میلاد بھی حاکی ہے وقت خاص کی — جس میں حسبِ حکمِ خالق خلق نے تعظیم کی
پھر بھلا تعظیم وقتِ ذکرِ میلادِ نبی — ہو خلافِ مرضئ حق، یہ نہیں ممکن کبھی
حق تعالیٰ تو کرائے سجدہ باصد عزوشاں
اور کھڑا ہونا نہ ہو جائز یہ کیسا ہے گماں

⑧ **محفلِ میلاد ﷺ کے فوائد:** ولادتِ پاک کی خوشی میں ابولہب جیسے کافر لعین کو اپنی لونڈی آزاد کرنے پر دوزخ میں اپنی پیاس بجھانے کی جو آسانی میسر آئی اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت ممدوح جشنِ میلاد کی حمایت میں ایک اور دلیل پیش کرتے ہیں:

یہ اثر، اللہ اکبر مجلسِ میلاد کا — کفر و دوزخ میں ہو جس کی آبیاری برملا
پھر جو ایماں بھی ہو ساتھ اس جشن کے سوچو ذرا — مبغضوں کی طرح کیا محروم وہ رہ جائے گا
یہ نہیں ممکن کہ رنج و شادمانی ایک ہوں

یہ تو ایسا ہے کہ جیسے آگ پانی ایک ہوں

⑨ **بے مثل رسول ﷺ:** اُس گستاخ فرقہ کے پیدا کردہ مسائل میں سے ایک مسئلہ بشریتِ مصطفےٰ ﷺ کا بھی ہے۔ وہ حضور اقدس ﷺ کو بالکل اپنی طرح بشر مانتا ہے اور اِس رشتے سے وہ حضور ﷺ کو اپنا بڑا بھائی سمجھتا ہے۔ حضرت فاضل ممدوح نے اپنے اس بند میں اس مسئلے کو بھی صاف کر دیا ہے۔

فرمانِ الٰہی کے بموجب جب حضور ﷺ نے کفارِ مکہ کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں لیکن جب مؤمنین صحابہ سے اس مسئلے میں خطاب کا موقع آیا تو ارشاد فرمایا: میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔

اس سے ثابت ہوا کہ اپنی طرح بشر کہنے کی جسارت کفار ہی کر سکتے ہیں۔ مؤمنین کا منصب یہ نہیں ہے کہ وہ حضور ﷺ کو اپنی طرح بشر کہیں۔ قدرت واختیار کے باوجود طائف میں کفار کے ظلم و جبر پر حضور ﷺ نے صبر وضبط کا ذکر کرتے ہوئے حضرت ممدوح ارشاد فرماتے ہیں:

باوجود اس کے اٹھائے جبکہ صدمے اس قدر — تب کیا دعویٰ کہ ہوں میں بھی تمہیں سا اک بشر
ورنہ جو مسجودِ اک عالم کا ہوئے سربسر — اہلِ دانش کس طرح رکھتے وہ دعویٰ معتبر
کس مصیبت سے چھپایا راز کو اغیار سے
پھر بھی لَسْتُ مِثْلَکُمْ فرما دیا اخیار سے

⑩ **علمِ مصطفےٰ ﷺ:** حضور ﷺ کے علمِ غیب کے مسئلے میں بھی اُس گستاخ فرقے نے جن شقاوتوں کا مظاہرہ کیا ہے، وہ مسلمانوں کی دل آزاری کا بدترین نمونہ ہے۔

حضرت فاضل ممدوح نے اپنے اس بند میں علمِ غیب رسول ﷺ کے مسئلے کو جس دل نشین پیرائے میں واضح کیا ہے' وہ ان کے تبحر علمی اور قوتِ استدلال کی بہترین مثال ہے۔ اس مسئلے میں صحابہ کرام کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

جتنے تھے اصحاب سب یہ جانتے تھے بالیقین — کہ ہیں واقف موت سے ہر اک بشر کے شاہِ دیں
بلکہ تاخیرِ اجل چاہیں تو کچھ دقت نہیں — جس کی جو مرنے کی جا ٹھہراتے وہ مرتا وہیں
؎ اہلِ خلد و نار کا رکھا تھا دفتر ہاتھ میں
گویا تھا ہر شخص کا نقش مقدر ہاتھ میں

⑪ عظمتِ نظرِ مصطفیٰ ﷺ: اسی عنوان پر حضرت فاضل ممدوح کا ایک اور بند ملاحظہ فرمائیں۔ کتنے آسان پیرائے میں کمالاتِ نبوت ﷺ سے متعلق ایک بنیادی عقیدے کو مسلمانوں کے دلوں میں اتار دیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

تھا نظر سے شاہِ دیں کے قدرتِ حق کا ظہور — یعنی تھا پیشِ نظر یک طور پر نزدیک و دُور
دیکھتے تھے مقتدیوں کے خواطر کو حضور — ایک ساں تھی چشمِ نورانی کو تاریکی و نور
؎ دیکھتے تھے واقعے روزِ قیامت کے عیاں
جس طرح ہیں دائماً احوالِ اُمت کے عیاں

اسی مسئلے پر حضرت فاضل ممدوح کا ایک اور اِستدلال ملاحظہ فرمائیں۔ دلیل کی اساس بالکل وہی ہے جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر میں جلوہ گر ہے:

؎ اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

فکر کی ہم آہنگی پر حیرت کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایمان کا نصب العین دونوں کے یہاں مشترک ہے۔ اب پوری توجہ کے ساتھ حضرت ممدوح کا یہ بند پڑھیے:

حضرت موسیٰ نے جب دیکھی تجلی طور پر — گو نہ دیکھا حق کو پھر بھی بڑھ گئی ایسی نظر
کہ شبِ یلدا میں دس فرسخ پہ چیونٹی ہو اگر — دیکھ لیتے' طور کی رؤیت کا تھا ایسا اثر
؎ پھر جو خود اللہ کو حضرت نے دیکھا بار بار
کون سی شئے ہے جو حضرت پر نہ ہوتی آشکار

⑫ مالک و مختار نبی ﷺ: حضور اقدس ﷺ کے قدرت و اختیار کے مسئلے میں بھی اس گستاخ فرقے نے مؤمنین کے جذبۂ عقیدت پر خون ریز حملے کیے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مدینے کے منافقین کا عناد ورثے میں ملا ہوا ہے۔ حضور ﷺ کی ہر عظمت سے انکار اور ہر شیوۂ تعظیم و ادب سے دل میں چبھن! دنیا میں شاید ہی کوئی ایسی بد بخت قوم ہو گی جو کسی کو اپنا پیغمبر بھی مانتی ہو اور اُس کی طرف سے سینے میں جلن بھی رکھتی ہو۔ اس کا کلمہ بھی پڑھتی ہو اور اُسی کی تنقیص میں دن رات غلطاں بھی رہتی ہو۔

کتاب و سنت کے اوراق جس رسولِ کونین ﷺ کے اختیارات و کمالات کی بھرپور شہادت دیتے ہوں' اس کے بارے میں یہ لکھنا کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک مختار نہیں' اُسے دل کی کدورت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟

اختیاراتِ مصطفیٰ ﷺ پر حضرت ممدوح نے صرف ایک بند میں فکری گمراہیوں کا سارا پردہ چاک کر دیا ہے اور دلیل کی قوتوں سے اس عقیدے کو اتنا مسلح کر دیا ہے کہ کسی بھی حملہ آور کو پوری طرح پسپا کیا جا سکتا ہے۔ اب پورے نشاطِ قلب کے ساتھ یہ بند پڑھیے:

دست کی توصیف میں ہیہات قاصر ہے زباں　　　کیونکہ دستِ عقل خود پہنچا نہیں اب تک وہاں
کُل خزانوں کی انہی کے ہاتھوں میں ہیں کنجیاں　　　اور انہی ہاتھوں ہو گا فتح ابوابِ جناں

ہو تصرف کیوں نہ پھر اُس ہاتھ کا اَکوان میں
جس کو خالق نے ''یدُ اللہ'' کہہ دیا قرآن میں

اس طویل نظم میں کل 58 بند ہیں لیکن جتنے بند یہاں نقل کیے گئے ہیں' اُن سے اختلافی مسائل میں حضرت فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا مسلکِ حق مہرِ نیمروز کی طرح آشکار ہو جاتا ہے۔ اب اَخیر میں اختصار کے ساتھ ہم حضرت موصوف کی سوانح حیات اِس کتاب کے قارئین کی نذر کر رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

احوال و آثار
فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ

● **ولادت و نام ونسب:** حضرت کے سوانح نگار شاہ ابوالخیر کنج نشین کی روایت
کے مطابق حضرت فاضل مصنف کی ولادت باسعادت 4 ربیع الثانی 1264ھ میں ضلع
''ناندیڑ'' میں ظہور پذیر ہوئی۔ ان کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ جب آثارِ حمل ظاہر ہوئے
تو خواب میں حضورِ انور ﷺ کو تلاوتِ قرآن مجید کرتے ہوئے دیکھا۔ حضرت فاضل
مصنف کا سلسلۂ نسب والد ماجد کی طرف سے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک
پہنچتا ہے اور والدۂ محترمہ کی طرف سے حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ سے جاملتا ہے۔ ان
کے والد بزرگوار ابو محمد شجاع الدین رحمۃ اللہ علیہ بڑے متبع سنت اور عالم باعمل بزرگ تھے۔

● **تعلیم و تربیت:** حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تعلیم والد محترم سے
ہوئی۔ سات سال کی عمر میں حفظ قرآن مجید کے لیے آپ کو حافظ امجد علی رحمۃ اللہ علیہ نابینا
کے سپرد کیا گیا۔ چار سال میں کلام مجید حفظ کرلیا۔ فارسی اور عربی کی تعلیم کے لیے آپ
مولوی فیاض الدین اورنگ آبادی کے حوالے کیے گئے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، ادب اور
معقولات کی تکمیل فرنگی محل لکھنؤ میں ہوئی۔ 1284ھ میں اپنے وقت کے مشہور عالمِ
دین مولانا حاجی امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک
ہوئے۔ 1285ھ میں محکمۂ مال گذاری میں پچھتر روپے ماہوار خلاصہ نویس کی حیثیت
سے مقرر ہوئے۔ ایک بار سودی کاروبار کی مثل خلاصہ لکھنے کے لیے آپ کے پاس آئی
جس کی وجہ سے اُسی دن آپ نے اس ناجائز ملازمت سے سبکدوشی حاصل کی۔

● **جامعہ نظامیہ کی بنیاد:** ترکِ ملازمت کے بعد درس وتدریس کا سلسلہ شروع
کردیا۔ علمی تبحر کی شہرت سن کر دُور دَراز مقامات سے جوق در جوق تشنگانِ علم اس

چشمۂ فیض کے کنارے جمع ہونے لگے یہاں تک کہ جامعہ نظامیہ کے نام سے اُن کے
لیے باضابطہ ایک معیاری درس گاہ کی بنیاد رکھنی پڑی۔ 1292ھ میں اِس عظیم درس
گاہ کی بنیاد پڑی جس کا ڈنکا عرصہ دراز تک برِ صغیر کے طول وعرض میں بجتا رہا۔

● **سلاطینِ دکن کی تعلیم و تربیت:** اپنی علمی شہرت اور بے مثال تدریسی
صلاحیت کی وجہ سے 1295ھ میں سلاطینِ دکن کے استاذ کی حیثیت سے آپ کی
تقرری عمل میں آئی۔ خاندانِ آصفیہ کا سب سے پہلا طالب علم جس نے آپ کے
سامنے زانوئے ادب تہہ کیا' اس کا نام آصف سادس میر محبوب علی خاں تھا۔
1308ھ میں آصف سابع میر عثمان علی خاں بھی آپ کے حلقہ درس میں داخل کیے
گئے اور مسلسل بائیس سال تک زیرِ تعلیم رہے۔ کہا جاتا ہے کہ میر عثمان علی خاں کا دین
اور دینی شعائر کے ساتھ گہرا لگاؤ آپ ہی کے حسنِ تربیت کا ثمرہ تھا۔

● **تعلیمِ سلوک اور بلادِ اسلامیہ کا سفر:** شیخ الاسلام حضرت فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ
کے والد ماجد کو مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت تھی' اس لیے انہوں نے
سلوک کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور ذکر و شغل میں مصروف رہے۔ بعد
فراغِ تعلیم ظاہری وباطنی انہوں نے تین بار بلادِ اسلامیہ کا سفر کیا۔

پہلی بار 1294ھ میں حج کے ارادے سے مکہ معظمہ پہنچے' اس وقت شیخ المشائخ
حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ وہاں موجود تھے۔ ان سے حضرت شیخ الاسلام نے
تمام سلسلوں میں تجدیدِ بیعت کی۔ اسی موقع پر بغیر کسی طلب کے حضرت حاجی صاحب
نے شیخ الاسلام کو خلعتِ خلافت سے سرفراز کیا۔

1301ھ میں حجاز کا دوسرا سفر اور 1305ھ میں تیسرا سفر کیا اور تین سال تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ یہاں تمام وقت حرم محترم کے کتب خانہ میں گزرتا۔ آپ کی مایۂ ناز تصنیف ''انوارِ احمدی'' اسی زمانے میں یہاں لکھی گئی۔

اسی دوران قیام میں آپ نے ایک بہت بڑا علمی اور دینی کام یہ بھی کیا کہ یہاں کے قدیم کتب خانوں سے تفسیر، حدیث اور فقہ کی نادر الوجود کتابوں کی نقول حاصل کیں۔ جن میں علی متقی کی کنز العمال، جامع مسانیدِ امام اعظم، جوہر النقی علیٰ سنن بیہقی اور احادیث قدسیہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

● **دائرۃ المعارف کا قیام:** سوانح نگار کی روایت کے مطابق مدینہ منورہ کے دورانِ قیام میں تین بار خواب میں وہ حضور اکرم سید عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضور ﷺ نے خواب میں ارشاد فرمایا ''حیدرآباد واپس جاؤ اور دین حق کی تبلیغ واشاعت کا کام انجام دو۔'' جب اپنا خواب حضرت موصوف نے حاجی صاحب کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے واپسی کا حکم دے دیا۔

حیدرآباد واپس آنے کے بعد حضرت شیخ الاسلام نے 1318ھ میں دو نہایت اہم اداروں کی بنیاد رکھی، ایک کتب خانہ آصفیہ اور دوسرا مجلس دائرۃ المعارف۔ آخر الذکر ادارے نے نادر الوجود کتابوں کی طباعت و اشاعت کی ایسی گرانقدر خدمت انجام دی کہ ایک عظیم مرکز اشاعتِ علم وفن کی حیثیت سے ''مجلس دائرۃ المعارف'' کو علمی دنیا میں ایک نہایت بلند مقام حاصل ہوگیا۔ اسی ادارہ سے وہ سارے قلمی نسخے زیور طبع سے آراستہ ہوئے جن کی نقلیں مدینہ طیبہ کے دورانِ قیام میں حاصل کی گئی تھیں۔

● **شیخ الاسلام کی تصانیف:** ایک شہرۂ آفاق استاذ اور ایک متبحر عالم دین ہونے کے علاوہ حضرت موصوف ایک پختہ کار صاحبِ قلم اور ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ ان کے شعری اور اَدبی کمال کا اندازہ اُس طویل نظم کے چند بندوں سے اس کتاب کے قارئین نے کرلیا ہوگا جو پچھلے اَوراق میں نقل کیے گئے ہیں۔ حضرت کی گرانقدر تصنیفات میں: ☆انوارِ احمدی ☆مقاصد الاسلام (گیارہ جلدیں) ☆حقیقۃ الفقہ ☆افادۃ الافہام (گیارہ جلدیں) ☆کتاب الفضل ☆الکلام المرفوع ☆انوار اللہ الودود فی مسئلہ وحدت الوجود، خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

● **وصال شریف:** تریسٹھ سال کی عمر میں حضرت شیخ الاسلام ؒ نے اس سرائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرمایا۔ جامعہ نظامیہ کے احاطے میں انہیں سپردِ خاک کیا گیا۔ مزارِ اقدس آج تک زیارت گاہ عوام وخواص ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

● **حضرت شیخ کے معمولات:** سوانح نگار نے ان کے معمولات کی جو تفصیل بیان کی ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام ؒ اپنے ظاہر و باطن کے اعتبار سے ایک نہایت ممتاز بزرگ تھے اور سلف صالحین کے نقش قدم پر تھے۔ دن کا وقت ''جامعہ نظامیہ'' میں درس وتدریس میں گزرتا جسے وہ حسبۃً للہ انجام دیا کرتے تھے۔ عشاء کی نماز کے بعد ''فتوحاتِ مکیہ'' کا درس دیتے۔ راوی کے بیان کے مطابق فتوحات کے درس میں اکثر انوار وتجلیات کا نزول ہوتا۔ بہت سے لوگوں نے ارواحِ قدسیہ کی تشریف آوری کا واقعہ بیان کیا ہے۔
تہجد کی نماز سے پہلے تصنیف وتالیف کا کام کرتے۔ تہجد کی نماز سے فارغ ہونے کے

بعد رات کے پچھلے پہر تک آرام کرتے اور پھر نمازِ فجر کے بعد "جامعہ نظامیہ" میں تشریف لے جاتے اور تدریس وافتاء اور دعوت وارشاد کی خدمت انجام دیتے۔ یہی ان کے شب وروز کے معمولات تھے جسے زندگی کے آخری لمحے تک انہوں نے برقرار رکھا۔

اپنے پیش لفظ کی آخری سطریں لکھتے ہوئے میں صمیمِ قلب کے ساتھ دعا کرتا ہوں کہ نئی ترتیب وتہذیب کے ساتھ اس کتاب مستطاب کی اشاعت سے میرا جو دینی مدعا ہے خدائے قدیر اُسے پورا فرمائے اور میری اس خدمت کو قبول فرمائے۔ حضرت شیخ کی اس گراں مایہ کتاب کے ذریعہ ان لوگوں پر اپنی ہدایت وتوفیق کا دروازہ کھولے جو فکری گمراہیوں میں مبتلا ہیں۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں "مکتبۂ جامِ نور" نئی دہلی کے منتظمین کا شکریہ نہ ادا کروں جنہوں نے دیدہ زیب کتابت وطباعت کے ساتھ اس قابلِ فخر کتاب کی اشاعت کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ اخیر میں اہلِ علم حضرات سے التماس کرتا ہوں کہ کتاب کی نئی ترتیب و تہذیب میں اگر اُنہیں کہیں میرے علم کی کوئی فروگزاشت نظر آئے تو اُسے اپنے دامنِ عفو میں جگہ دیں گے۔ اب آپ ورق الٹیے اور اَصل کتاب کا مطالعہ کیجئے۔

﴿وما توفیق الا باللہ وھوارحم الراحمین. وصلی اللہ علیٰ خیر خلقه ونورعرشه سیدنا محمد رسول اللہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین﴾

بندۂ گناہگار، طالبِ رحمتِ غفار

ارشد القادری

27/محرم الحرام 1410ھ مطابق 30/اگست 1989ء

دفتر جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء نئی دہلی نمبر 13

پہلا باب

نعت گوئی کی فضیلت وعظمت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى صَحْبِهِ الْمُرْشِدِيْنَ وَاٰلِهِ الْمُهْتَدِيْنَ وَحِزْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ ○

● ﴿نعت گوئی بھی زبان وقلم کا ایک جہاد﴾

اس موضوع پر مصنف کتاب نے تین حدیثیں نقل کی ہیں:

❶ پہلی حدیث:

﴿منظوم کلام کی تاثیر﴾

مشہور صحابیٔ رسول حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک دن حضور انور ﷺ کی بارگاہ میں یہ سوال پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ نے شعروشاعری کی برائی میں یہ آیت نازل فرمائی ہے ﴿اَلشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ﴾ شعراء وہ ہیں جن کی گمراہ لوگ پیروی کرتے ہیں۔ اِن کے سوال کا مدعا یہ تھا کہ اب ایسی صورت میں شعر کہنا کیونکر روا ہوگا؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ﴿اِنَّ الْمُؤْمِنَ يُجَاهِدُ بِسَيْفِهٖ وَلِسَانِهٖ﴾ ایمان والے تلوار سے بھی جہاد کرتے ہیں اور زبان سے بھی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! کہ کفار کے مقابلے میں تمہارا شعر پڑھنا تیر اَندازی کی طرح ہے یعنی اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی مدافعت میں تم جو اشعار کہتے ہو وہ تیر کی طرح کفار کے سینوں کو گھائل کرتے ہیں۔ ﴿مشکوٰۃ المصابیح﴾

❷ دوسری حدیث:

﴿نعت گوئی ایک جہاد﴾

مشہور محدث حضرت علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے استیعاب میں نقل کیا ہے کہ حضرت

کعب رضی اللہ عنہ نے حضور انور ﷺ سے دریافت کیا کہ نعت گوئی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ ارشاد فرمایا: مؤمن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی یعنی اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی طرف سے مدافعت کے لیے تلوار سے بھی کام لیتا ہے اور زبان سے بھی۔

﴿استیعاب﴾

ان دونوں حدیثوں کے ذیل میں مصنفِ کتاب کا یہ تبصرہ حرزِ جاں بنانے کے قابل ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: "الحاصل آنحضرت ﷺ کے فضائل اور اُن مخالفین کے جوابات میں جو تنقیصِ شان کرتے ہیں، اشعار کا لکھنا لسانی جہاد ہے جو تیر کی طرح کام کرتا ہے۔" ﴿انوارِ احمدی، ص:3﴾

❸ تیسری حدیث:

﴿نعت خوانی کا صلہ﴾

مواہب اللدنیہ اور اُس کی شرح زرقانی میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ عرب کے مشہور شاعر نابغہ جعدی نے حضور اکرم ﷺ کی شان میں چند اشعار پڑھے، آپ نے خوش ہو کر اُنہیں یہ دُعا دی: ﴿لَا يَفْضُضِ اللّٰهُ فَاكَ اَیْ لَا يُسْقِطُ اللّٰهُ اَسْنَانَكَ﴾ ﴿بیہقی﴾ اللہ تمہارے منہ کی مہر نہ توڑے یعنی تمہارے دانت نہ گریں اور منہ کی رونق نہ بگڑے۔

اس حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں کہ باوجودیکہ حضرت نابغہ کی عمر سو برس کی ہوگئی تھی لیکن ان کے کل کے کل دانت صحیح وسالم تھے اور اولے کی طرح سفید تھے۔ راویانِ حدیث نے یہاں تک اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے: ﴿اِذَا سَقَطَ لَهٗ سِنٌّ نَبَتَ لَهٗ

اُخریٰ﴾ ﴿دار قطنی﴾ جب ان کا کوئی دانت گر جاتا تو بڑھاپے میں بھی اس کی جگہ نیا دانت نکل آتا۔

یہ سراسر حضور اکرم ﷺ کی دعا کی برکت تھی کہ نعت پڑھنے والے کے منہ کی خوبصورتی زندگی کی آخری سانس تک برقرار رہی۔

● ﴿حضورِ اقدس ﷺ ہی کے وجود سے سارے عالم کا وجود﴾

اس موضوع پر مصنفِ کتاب نے احادیث کے چمنستانوں سے جو گلہائے رنگا رنگ جمع کیے ہیں' ان کی خوشبو سے دنیا ہمیشہ معطر رہے گی۔ ذیل میں قارئین کرام حدیثوں کی مہکتی ہوئی قطاریں ملاحظہ فرمائیں:

➊ پہلی حدیث:

﴿حضورِ اقدس ﷺ وجہِ تخلیقِ کائنات﴾

حاکم نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ تم بھی محمد ﷺ پر ایمان لاؤ اور اپنی اُمت کو بھی حکم دو کہ وہ بھی ان پر ایمان لائیں۔ کیونکہ محمد ﷺ وہ ہیں کہ اگر میں ان کو نہ پیدا کرتا تو نہ آدم کو پیدا کرتا اور نہ جنت و دوزخ کو۔ جب میں نے پانی پر عرش کو بچھایا تو وہ ہلنے لگا۔ جب میں نے اس پر ﴿لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ لکھ دیا تو ساکن ہو گیا۔

ابن سبع نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: ﴿مِنْ اَجْلِکَ اَسْطَحُ الْبَطْحَاءَ

وَاُمَوِّجُ الْمَوْجَ وَ اَرْفَعُ السَّمَآءَ وَاَجْعَلُ الثَّوَابَ وَالْعِقَابَ﴾ آپ ہی کی وجہ سے میں نے زمین کو بچھایا' لہراتے ہوئے دریا پیدا کیے' آسمانوں کو بلند کیا اور عذاب و ثواب کے ضابطے مقرر کیے۔ ﴿زرقانی علی المواهب﴾

➋ دوسری حدیث:

﴿فضیلتِ مصطفیٰ ﷺ﴾

حضرت ابن عساکر نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن سیدنا جبریل علیہ السلام حضورِ اقدس صاحبِ لولاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''آپ کا رب ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تو آپ کو اپنا حبیب بنایا اور عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں پیدا کی جو میرے نزدیک آپ سے زیادہ بزرگ ہو۔ میں نے دنیا اور دُنیا والوں کو صرف اس لیے پیدا کیا کہ اُن پر میں ظاہر کر دوں کہ میرے نزدیک آپ کا مرتبہ اور آپ کی بزرگی کیا ہے۔ اگر آپ مقصود نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔'' ﴿المواهب اللدنيه﴾

ان حدیثوں کے ذیل میں حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ایمان افروز تبصرہ ملاحظہ فرمائیں' ایک ایک لفظ محبت و عقیدت کی خوشبو سے معطر ہے۔ تحریر فرماتے ہیں: ''حدیثِ سابق میں جو مذکور ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ کی وجہ سے عالم پیدا کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب بھی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آفرینشِ خلق کا مقصود یہ ہے کہ آپ کا مرتبہ اور عظمت ظاہر ہو۔ پھر جب خداوند قدوس نے صرف اظہارِ فضیلت کے لیے اس قدر اہتمام کیا ہو تو ضروری ہے کہ تمام عالم آنحضرت ﷺ کی مدح و نعت میں بدل و جاں

مصروف ہو کیونکہ بادشاہ اگر کوئی اپنی مرغوب چیز کسی شخص کو بتلائے اور وہ شخص اس چیز کی تعریف نہ کرے تو غیرتِ پادشاہی اس امر کی مقتضی ہوگی کہ اس بے ادبی کی پاداش میں اُسے سخت سزا دی جائے اور ایسا شخص سوائے متمرد اور سرکش کے دُوسرا نہ ہوگا۔

اسی وجہ سے حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ سوائے سرکش جن و انس کے زمین و آسمان کی ہر مخلوق مجھے جانتی پہچانتی ہے۔"

﴿کتاب الشفاء، بیہقی﴾ ﴿انوارِ احمدی، ص:14﴾

③ تیسری حدیث:

﴿حضورِ اقدس ﷺ رسولِ کائنات﴾

ثعلبہ ابن مالک سے ابونعیم نے اور جابر ابن عبداللہ سے احمد، دارمی، بزار اور بیہقی نے اور عبداللہ ابن جعفر سے مسلم اور ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ مدینہ کے کسی باغ میں ایک اونٹ تھا جو دماغی خلل میں مبتلا ہوگیا تھا۔ اس کی دہشت سے لوگ اس باغ میں نہیں جاتے تھے۔ ایک دن حضورِ اقدس ﷺ اُس باغ میں تشریف لے گئے۔ جیسے ہی حضور اقدس ﷺ نے اس اونٹ کو آواز دی وہ دوڑتا ہوا آیا اور آپ کے سامنے اپنا ہونٹ زمین پر رکھ دیا۔ آپ نے اسے مہار لگادی اور ارشاد فرمایا "نافرمان جن و انس کے علاوہ زمین و آسمان کی کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے، جو مجھے نہ جانتی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔"

فائدہ: مصنفِ کتاب نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ چونکہ حضور ﷺ ہی کے لیے سارا عالم پیدا کیا گیا ہے، اس لیے عالم کی ہر چیز آپ کو جانتی ہے۔ بلکہ جہاں تک جاننے کا تعلق ہے کفار بھی آپ کو جانتے ہیں کہ وہ اللہ کے نبی برحق ہیں مگر

مانتے نہیں ہیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ﴾ کفار کو حضور اقدس ﷺ کے نبی ہونے کا علم بالکل ایسا ہے جیسے اپنی اولاد کے بارے میں انہیں علم ہے کہ وہ ان کی اولاد ہیں۔

④ چوتھی حدیث:

﴿حضور اکرم ﷺ صاحبِ لولاک﴾

مواہب اللدنیہ میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نکلے تو اُنہوں نے دیکھا کہ عرش کے ستونوں پر اور جنت کے دَر و دیوار پر ہر جگہ محمد ﷺ کا نام اللہ کے نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کہ یہ محمد کون ہیں جن کا نام آپ کے نام کے ساتھ ملا ہوا ہے؟ ارشاد ہوا کہ ﴿ھٰذَا وَلَدُکَ لَوْلَاہُ لَمَا خَلَقْتُکَ﴾ یہ تیرے فرزند ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو میں تجھے نہ پیدا کرتا۔

یہ سنتے ہی اُنہوں نے التجا کی ﴿یَا رَبِّ بِحُرْمَۃِ ھٰذَا الْوَلَدِ ارْحَمْ ھٰذَا الْوَالِدَ﴾ اے میرے پروردگار! اِس فرزندِ جلیل کے طفیل میں اِس کے باپ پر رحم فرما۔

ارشاد ہوا: اے آدم! اِس کے وسیلہ سے زمین و آسمان کی ساری مخلوق کے لیے بھی تم دعا کرتے تو میں تمہاری دعا قبول کرتا۔

⑤ پانچویں حدیث:

﴿حضور اکرم ﷺ خدا سے جدا نہیں﴾

امام سیوطی نے تفسیر دُرِ منثور میں، طبرانی نے معجم صغیر میں، حاکم اور ابونعیم نے دلائل

میں ابنِ جوزی نے کتاب الوفاء میں اور ابنِ عساکر نے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطاء سرزد ہوئی تو انہوں نے عرشِ الٰہی کی طرف سر اُٹھا کر دعا کی: الٰہی! بحقِ محمد ﷺ مجھے معاف کردے۔

ارشاد ہوا: محمد کو تم نے کیونکر پہچانا؟ عرض کیا: جب تُو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے عرش کی طرف سر اُٹھا کر دیکھا کہ اس پر ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ لکھا ہوا ہے۔ اس سے میں نے جانا کہ جس کا نام تُو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے اس سے زیادہ مقرب، صاحبِ مرتبت اور کوئی تیرے دربار میں نہیں ہے۔ ارشاد ہوا: اے آدم! وہ تیری اولاد میں سب سے آخری نبی ہوں گے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو تجھے پیدا نہ کرتا۔

ایک شبہ کا ازالہ:

ہوسکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ شبہ ہو کہ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ جنت سے نکلتے وقت حضرت آدم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ حضرت محمد ﷺ کون ہیں؟ جبکہ اس سے پہلے والی حدیث میں ہے کہ انہوں نے خدا سے خود دریافت کیا کہ محمد کون ہیں؟ یہ سوال بتا رہا ہے کہ اس وقت تک وہ محمد ﷺ سے واقف نہیں تھے۔

دونوں احادیث کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لیے سب سے پہلے اصولی طور پر ایک بات سمجھ لینی چاہیے کہ ہر سوال کا منشاء ناواقفیت نہیں ہوتا۔ بعض مصلحتوں کی وجہ سے کبھی جانتے ہوئے بھی آدمی سوال کرتا ہے۔ وہ مصلحت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے قبل محمد ﷺ کے متعلق حضرت آدم علیہ السلام کا علم ان کے اپنے قیاس پر مبنی تھا۔ اس لیے سوال سے حضرت آدم علیہ السلام کا مدعا یہ تھا کہ خود خداوندِ قدوس کے ذریعہ انہیں

صراحت کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ اس کے دربار میں حضرت محمد ﷺ کا مرتبہ کیا ہے؟

● ﴿حضور ﷺ کا ذکر، اللہ ہی کا ذکر﴾

اس موضوع پر حضرت مصنف نے اپنے علم وفضل کے جو گل و بوٹے کھلائے ہیں، وہ عشاق کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اُن کے قلب و رُوح کی فرحت و سُرور کا بہترین سامان ہیں۔ ایمان و عقیدت کی آنکھ میسر آئے تو ذیل میں رفعتِ ذکرِ مصطفیٰ ﷺ کے بصیرت افروز دلائل کا مطالعہ کیجیے:

❶ پہلی دلیل:

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الشفاء، صحیح ابن حبان اور مسند ابی یعلیٰ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک دن جبریل امین علیہ السلام میری خدمت میں حاضر ہوئے اور مجھے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تم جانتے ہو کہ میں نے تمہارا ذکر کس طرح بلند کیا ہے؟ میں نے جواب دیا: اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ارشاد ہوا: آپ کا ذکر میں نے اس طرح بلند کیا ہے کہ جس وقت میں ذکر کیا جاتا ہوں، آپ بھی ذکر کیے جاتے ہیں۔

مصنفِ کتاب اس حدیث کے ذیل میں ایک ایمان افروز نکتہ سپردِ قلم فرماتے ہیں: ''ابنِ عطاء کہتے ہیں کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ ایمان کا اِتمام و اکمال اسی بات پر مقرر کیا گیا ہے کہ آپ کا ذکر میرے ذکر کے ساتھ ہو اور یہ کہ آپ کا ذکر میرا ہی ذکر ہے۔''

﴿انوارِ احمدی، ص:19﴾

❷ دوسری دلیل:

آیت کریمہ ﴿اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ بغور سنو! اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے، کی تفسیر میں امام جلال الدین سیوطی نے تفسیر دُرِّ منثور میں ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ کے حوالہ سے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ کے ذکر سے حضرت محمد ﷺ اور ان کے صحابہ کا ذکر مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ذکرِ محمد، عین ذکرِ الٰہی ہے اور ذکرِ صحابہ، عین ذکرِ محمد ہے کہ حضرت محمد ﷺ کو اللہ نے سنوارا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حضرت محمد ﷺ نے آراستہ کیا۔

فائدہ: مصنفِ کتاب رحمۃ اللہ علیہ اسی مقام پر ایک شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''حضرت مجاہد نے ﴿بِذِکْرِ اللّٰهِ﴾ کی تفسیر میں ﴿بِمُحَمَّدٍ وَّ اَصْحَابِہٖ﴾ جو کہا ہے، ہر چند یہ ظاہر آیتِ شریفہ کا مناسب نہیں معلوم ہوتا مگر چونکہ ایک محدثِ جلیل القدر نے تفسیر کی ہے، اس لیے اِسے حسنِ ظن کے ساتھ مان لینا چاہیے کہ یہ حضرات تفسیر بالرائے نہیں کرتے۔ یقیناً انہیں سماعی طور پر اس تفسیر کی روایت پہنچی ہوگی۔''

﴿انوارِ احمدی، ص: 20﴾

③ تیسری دلیل:

جامع صغیر اور اس کی شرح سراج المنیر میں حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: نبیوں کا تذکرہ ایک طرح کی عبادت ہے اور اَولیاء اللہ کا ذکر گناہوں کے لیے کفارہ ہے، موت کا ذکر صدقہ ہے اور قبر کا ذکر جنت سے قریب ہونے کا ذریعہ ہے۔

فائدہ: حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں: جب انبیاء علیہم السلام اور سائر اَولیاء اللہ کا ذکر عبادت اور کفارۂ گناہ ٹھہرا تو سلطان الانبیاء والاولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کس درجہ کی عبادت اور گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ یقین ہے کہ اس ذکرِ پاک میں کچھ خصوصیت ایسی ضرورت ہوگی جو دوسرے میں ہرگز نہ ہوسکے۔

﴿انوارِ احمدی، ص: 18﴾

④ چوتھی دلیل:

مواہب اللدنیہ میں یہ حدیث ثقہ راویوں سے نقل کی گئی ہے کہ قیامت کے دن حافظِ قرآن کی ایک جماعت دوزخ میں ڈالی جائے گی۔ حضور انور ﷺ کی یاد اُن کے ذہن سے اللہ تعالیٰ بھلا دے گا یہاں تک کہ حضرت جبریل علیہ السلام جب انہیں یاد دلائیں گے تو وہ حضور پاک، صاحب لولاک ﷺ کا ذکر کرنے لگیں گے۔ اس کے بعد حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ﴿فَتَخْمَدُ النَّارُ وَ تَنْزَوِیْ مِنْهُمْ﴾ حضور ﷺ کے ذکر شریف کی برکت سے آگ بجھ جائے گی اور عذاب ہٹ جائے گا۔

مصنف کتاب اس واقعہ سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ذکرِ محمد ﷺ ذکرِ الٰہی نہ ہوتا تو ذکرِ محمد ﷺ سے اللہ کا عذاب ہرگز نہ ٹلتا۔

⑤ پانچویں دلیل:

مواہب اللدنیہ اور اس کی شرح زرقانی میں حافظ ابو طاہر سلفی اور ابنِ بکیر کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس کے راوی حضرت انس ابنِ مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو بندے قیامت کے دن

اللہ کی بارگاہ میں کھڑے کیے جائیں گے۔ حکم ہوگا انہیں جنت میں داخل کرو۔ وہ عرض کریں گے: اے پروردگار! کس سبب سے ہم جنت کے مستحق ٹھہرائے گئے حالانکہ اپنی زندگی میں ہم نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا تھا جس کا بدلہ جنت ہو؟ ارشاد ہوگا: ﴿اُدْخُلَا الْجَنَّةَ فَاِنِّیْ اٰلَیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ اَنْ لَّا یُدْخِلَ النَّارَ مَنْ اِسْمُهٗ اَحْمَدُ وَلَا مُحَمَّدٌ﴾ تم دونوں جنت میں داخل ہوجاؤ۔ اس لیے کہ میں نے اپنی ذات کی قسم کھائی ہے کہ جس کا نام محمد یا احمد ہوگا' وہ دوزخ میں داخل نہیں کیے جائے گا۔

فائدہ: اس مقام پر حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ ایک شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے ایمان وعقیدت کی آنکھیں ٹھنڈی کرتے ہیں: ''اگر کوئی شبہ کرے کہ بعض ملاحدہ اور بدعقیدہ لوگ بھی نامِ مبارک کے ساتھ وابستہ ہیں تو کیا دخولِ جنت کا یہ پروانہ ان کے لیے بھی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے سارے فضائل بلکہ جملہ اعمالِ حسنہ بغیر ایمان کے کچھ کام نہیں آتے۔ کیونکہ سب سے مقدم خدا اور رسول پر صحیح ایمان اور اُن کی محبت ہے۔ جب یہی معاملہ ٹھیک نہ ہو تو ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم کے سوا اور کہاں ہوگا؟ اس حدیث سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ خدائے ذوالجلال کے دربار میں حضور اکرم ﷺ اتنے معظم ومحترم ہیں کہ آپ کے نام کی توہین بھی حق تعالیٰ کو گوارا نہیں۔''

﴿انوارِ احمدی' ص: 23﴾

⑥ چھٹی دلیل:

محدثِ کبیر حضرت ابن عساکر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے مواہب اللدنیہ میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس کے راوی حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ بیان کرتے

ہیں کہ ایک دن حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت شیث علیہ السلام کو اپنے سامنے بٹھا کر یہ وصیت فرمائی: میرے بعد تم میرے خلیفہ ہو۔ خلافت کی عمارت کو تقویٰ اور مضبوط رشتۂ عبودیت کی بنیاد پر اِستوار کرنا۔ جب اللہ کا ذکر کرنا ہے تو اُس کے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ کا بھی ذکر کرنا ہے کیونکہ میں نے اُن کا نامِ مبارک عرش پر لکھا ہوا دیکھا تھا' جب میرے قالبِ خاکی میں پہلی بار رُوح داخل ہوئی تھی۔

پھر میں نے تمام آسمانوں کی سیر کی اور ہر طرف گھوم پھر کر دیکھا مجھے کوئی ایسی جگہ نہ ملی جہاں حضرت محمد ﷺ کا نام مبارک نہ لکھا ہو۔ میرے رب نے مجھے جنت میں رکھا' وہاں کوئی محل' کوئی بالا خانہ اور کوئی برآمدہ ایسا نظر نہیں آیا جس پر حضرت محمد ﷺ کا نامِ نامی نہ کندہ ہو۔ میں نے حوروں کے سینوں پر' جنت کے درختوں پر' شجرِ طوبیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر' عرشِ الٰہی اور حریمِ قدس کے پردوں پر اور فرشتوں کی آنکھوں کی پتلیوں میں ہر جگہ حضرت محمد ﷺ کا نامِ پاک ستارے کی طرح جگمگاتا ہوا دیکھا ہے۔ اس لیے ایک لائق وفائق بیٹے کی طرح میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم ایک لمحہ بھی اُن کی یاد سے غافل نہ رہنا۔ عالمِ ملکوت والوں کو میں نے دیکھا ہے کہ اُنہی کے ذکر سے وہ اپنی توانائی حاصل کرتے ہیں۔

فائدہ: اس حدیث کے ذیل میں حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فکر انگیز تبصرہ توجہ سے پڑھنے کے قابل ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: ''حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے اس فرزند کو جو محبوب ترین اولاد اور خلیفہ تھے' وصیت کی کہ آنحضرت ﷺ کا ذکر بکثرت کیا کریں۔ اس وصیت میں بظاہر دو فائدے ہیں۔ ایک خاص نفع ذاتی شیث علیہ السلام کا کہ

ذکر کی بدولت حق تعالیٰ کے نزدیک ان کا تقرب بڑھے۔ دوسرا یہ کہ تمام اولاد کی بھلائی بھی مدِنظر تھی۔ کیونکہ جب سب کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ انہوں نے اپنے پیارے فرزند اور وَلی عہد کو ایسی وصیت کی ہے تو ان میں جو زیرک اور خلف الصدق (لائق بیٹے) ہوں گے' ضرور اِس کام کی طرف رغبت کریں گے۔ اس پر اگر کسی ناخلف نے پدرِ مہربان کی وصیت کو لغو سمجھا تو اس نے اپنے ہی نقصان کیا۔

اب اس موقع پر ہمارے قارئین اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ جب انبیائے اولوالعزم نے ذکرِ مصطفےٰ ﷺ میں اس قدر اِہتمام کیا ہو تو ہم اُمتیوں کو کس قدر اس کا اہتمام و التزام چاہیے کیونکہ ہمارا تو دین و ایمان ہی حضرت محمد ﷺ کی محبت و عقیدت ہے۔''

﴿انوارِ احمدی' ص:26﴾

❼ ساتویں دلیل:

مواہب اللدنیہ اور اِس کی شرح زرقانی میں حضرت ابونعیم کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس کے راوی حضرت ابوہریرہ ؓ ہیں۔ وہ حضور پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت آدم ؑ آسمان سے سراندیپ (جزیرہ ہند) میں اتارے گئے تو اُنہیں وحشت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے غم و اندوہ کے ازالہ کے لیے حضرت جبریل ؑ کو زمین پر بھیجا۔ انہوں نے حضرت آدم ؑ کے سامنے اذان دی جس سے ان کی وحشت دُور ہوگئی۔

فائدہ: اس حدیث کے ذیل میں حضرت مصنف ؒ نے جو افادہ فرمایا ہے' وہ اہلِ عشق و ایمان کے لیے حرزِ جاں بنانے کے قابل ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

''آنحضرت ﷺ کے نام میں یہ اثر دیا گیا ہے کہ وحشت و اندوہ کو دفع کرے۔ یہاں ایک بات اور یاد رکھنی چاہیے کہ اگر کسی بداعتقاد' قسیُ القلب کے دل میں یہ اثر ظاہر نہ ہو تو یہ نہ سمجھیں کہ اس کی تاثیر میں فرق ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ محل میں صلاحیت نہیں۔ جیسا کہ ساری دنیا کے اطباء معترف ہیں کہ جب محل میں صلاحیتِ قبول نہ ہو تو دَوا کیسی ہی قوی الاثر کیوں نہ ہو' کچھ تاثیر نہیں ہوتی۔''

﴿انوارِ احمدی' ص:31﴾

❽ آٹھویں دلیل:

﴿عہدِ صحابہ کا ایک نہایت ایمان افروز واقعہ﴾

مواہب اللدنیہ میں ابن عدی' ابن ابی الدنیا' بیہقی اور ابونعیم جیسے اکابر محدثین کے حوالہ سے ایک نہایت عقیدت انگیز واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ اس واقعہ کے راوی حضرت انس ؓ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں ایک انصاری نوجوان کا انتقال ہوا۔ ان کی ماں نہایت بوڑھی اور نابینا تھیں۔ انتقال کی خبر سُن کر ہم لوگ اُن کے گھر گئے اور نوجوان کے مردہ جسم کو چادر سے ڈھانپ دیا۔ اس کی بوڑھی ماں کو جب ہم صبر کی تلقین کرنے لگے تو اُنہوں نے حیرت سے دریافت کیا کہ کیا ہمارا بیٹا انتقال کر گیا ہے؟ ہم لوگوں نے جواب دیا: ہاں! وہ انتقال کر گیا۔ یہ سن کر انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اَشکبار آنکھوں کے ساتھ یہ دعا مانگی ﴿اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اِنِّیْ ھَاجَرْتُ اِلَیْکَ وَاِلٰی نَبِیِّکَ رَجَاءَ اَنْ تُعِیْنَنِیْ عَلٰی کُلِّ مُشَقَّۃٍ فَلَا تُحَمِّلَنَّ عَلَیَّ ھٰذِہِ الْمُصِیْبَۃَ﴾ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے

تیری اور تیرے نبی ﷺ کی طرف ہجرت اس امید پر کی ہے کہ تو ہر سختی میں میری مدد کرے گا تو میرے جوان بیٹے کا صدمہ میرے اوپر مت ڈال۔

اس واقعہ کے راویانِ چشم دید بیان کرتے ہیں کہ دعا کے یہ الفاظ جیسے ہی تمام ہوئے نوجوان کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی۔ اُس نے اپنے منہ سے کپڑا ہٹا دیا اور اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ ہم سے باتیں کرنے لگا‘ ہمارے ساتھ کھانا کھایا اور وہ اس وقت تک زندہ رہا کہ اس کی ماں کا انتقال اُس کے سامنے ہوا۔

فائدہ: اس واقعہ کے ذیل میں موتیوں کی طرح چمکتی ہوئی حسنِ عقیدت کی یہ لڑیاں ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت مصنف ؒ تحریر فرماتے ہیں: ’’سبحان اللہ! کیسا قوی ذریعہ آنحضرت ﷺ کے نامِ پاک کا اُن بی بی صاحبہ کے دل میں متمکن تھا کہ بغیر سوچے ایسی نازک حالت میں بھی ان کی زبان پر آ گیا اور کیسا اعتقاد تھا کہ شک کو کچھ موقع ہی نہیں ملا۔ یہ عقیدہ اچھی طرح ان کے دل میں راسخ تھا کہ جب سب گھر بار چھوڑ کر آپ کی خدمت میں پہنچ گئے اور آپ ہی کے ہو رہے تو کیسی ہی مصیبت کیوں نہ ہو‘ جب اس ذریعہ سے دعا کی جائے گی‘ تو موت بھی ہو گی تو ٹل جائے گی۔‘‘

﴿انوارِ احمدی‘ ص:36﴾

● ﴿جلالتِ شانِ مصطفیٰ ﷺ کے رنگا رنگ جلوے﴾

اس عنوان کے ذیل میں حضرت مصنف کے قلم کی روانی چشمۂ کوثر کی لہراتی ہوئی موج بن گئی ہے۔ کہیں کہیں تو جذبۂ عقیدت کے تلاطم کی ایسی والہانہ کیفیت پیدا ہو گئی ہے کہ جی چاہنے لگتا ہے کہ نوکِ قلم کو آنکھوں سے لگا لیں‘ ہونٹوں سے چومیں اور دل

میں اُتار لیں۔ مؤمنین کے قلوب کو سُرور میں ڈبو دینے والی ایسی مرصع عبارتیں کہ والہانہ محبت کا نور سطر سطر سے ٹپک رہا ہے اور حقائق و معانی کی قدر و قیمت کا کیا پوچھنا کہ عشق و اخلاص کی خوشبو سے الفاظ کے دامن تک مہک اٹھے ہیں۔ حضرت مصنف کے احساسات کے آئینے میں ایمان کا نقطۂ عروج دیکھنے کے قابل ہے۔

پچھلے اوراق میں بیان کردہ احادیثِ طیبات کا جائزہ لیتے ہوئے حضرت مصنف ؒ رقم طراز ہیں: ’’ان تمام روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو قدر و منزلت اور جو خصوصیت آنحضرت ﷺ کی حق تعالیٰ کے نزدیک ہے اس کا کچھ حساب و شمار نہیں۔ اب یہ معلوم نہیں کہ منشاء اور سبب اس کا کیا ہے؟ اگر آنحضرت ﷺ صرف رسول ہی تھے تو اتنا کافی تھا کہ مثل دوسرے رسول کے بعد ادا کرنے فرضِ منصبی یعنی تبلیغِ رسالت کے مستحقِ تحسین ہوتے لیکن اس کے کیا معنی کہ ہنوز عالمِ ہستی کا نام تک کسی کی زبان پر نہیں آیا تھا کہ لسانِ غیب سے آپ کی عظمت و نام آوری کے چرچے ہونے لگے۔

حضرت آدم نے جب عدم سے آنکھ کھولی تو پہلے پہل جس چیز پر نظر پڑی وہ آپ ہی کا نامِ نامی تھا جو خالق بے ہمتا کے ساتھ ہر جگہ جلوہ گر تھا۔ شجرِ خلد کا ہر پتہ گواہی دے رہا ہے کہ ان کی نظیر کا کہیں پتہ نہیں۔ ہر فرشتہ آپ کے ذکر میں رطب اللسان ہے اور بزبانِ حال ’’بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر‘‘ کے ساتھ نغمہ سرا ہے۔ ایک طرف انبیائے اولوالعزم نعت گوئی میں مصروف ہیں تو دوسری طرف آرزوئے اُمتی ہونے کی کوئی کر رہا ہے اور کوئی اُن کے توسل سے مرادیں مانگ رہا ہے۔

معلوم نہیں قبل وجود کونسی جانفشانی آپ کی حق تعالیٰ کو ایسی پسند آ گئی کہ اس قدر

عزت افزائی ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اگر جانفشانی پر اس کا مدار ہوتا تو انبیائے سابقین زیادہ تر مستحق اِن مراتب کے تھے۔ معاذ اللہ! یہاں عبودیت وعبادت کو کیا دخل؟ یہ تو ایک ایسی فضیلتِ خاص ہے، جو قبل تخلیق عالم ان کے حق میں مقدر ہو چکی تھی۔

﴿ وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴾

اب اگر بالفرض کوئی تمام ملائکہ اور جن و اِنس وغیرہ کے برابر عبادت کر کے یہ توقع رکھے کہ ہم بھی ایسا رتبہ حاصل کر سکتے ہیں تو کیا ممکن ہوگا؟ معاذ اللہ! یہ بھی ایک قسم کا جنون سمجھا جائے گا۔ کیونکہ خالقِ عالم جل شانہٗ اَزل سے اَبد تک کی فضیلت اپنے حبیب ﷺ کو عطا کر چکا۔ اَزل کا حال تو کسی قدر معلوم ہوا' اَبد کا حال بھی آئندہ معلوم ہو جائے گا کہ جنت کی کنجیاں بھی حضرت ہی کے ہاتھ میں ہوں گی اور جنت کی سلطنت حضرت ہی کو مسلم ہے۔ پھر یہ خیال کہ کسی دوسرے کو بھی حضرت کی سی فضیلت حاصل ہو سکتی ہے' اس خدائی میں تو اُس کا ظہور ممکن نہیں کیونکہ یہاں تو انحصار اَزل اور اَبد کا ہو گیا۔ اب اس سے زیادہ اس خیال میں خامہ فرسائی کرنا کلماتِ کفر کی حمایت کرنا ہے۔ کسی مسلمان کو طمع تو درکنار خیال تک نہیں آ سکتا کہ شرافت وفضیلت میں حضرت کے ساتھ برابری ڈھونڈے۔

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک!

اس تقریر سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ دوسرے شخص کا خاتم النبیین ہونا محال ہے۔"

﴿انوارِ احمدی' ص:41﴾

☆☆☆☆☆

دوسرا باب

عقیدۂ ختمِ نبوت کا تحفظ و دفاع

● ﴿انکارِ عقیدۂ ختمِ نبوت پر مولوی محمد قاسم نانوتوی کا تعاقب﴾

عقیدۂ خاتم النبیین پر حضرت مصنف کے علمی دلائل' ایمانی شواہد اور بصیرت افروز تنبیہات کی شاندار بحث پڑھنے سے پہلے ''جامعہ نظامیہ'' حیدرآباد کے شیخ محترم مولانا عبدالحمید صاحب کا یہ حاشیہ پڑھیے تاکہ بحث کے بنیادی گوشوں سے آپ پوری طرح باخبر ہو جائیں۔

شیخ الجامعہ تحریر فرماتے ہیں: تحذیر الناس نامی کتاب میں خاتم النبیین کے مسئلے پر (محمد قاسم نانوتوی' بانی دارالعلوم دیوبند) نے ایک فلسفیانہ بحث فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے'' خاتم النبیین ہونا فضیلت کی بات نہیں۔ کسی کا مُقدّم زمانے یا مُتاخر زمانے یعنی اگلے اور پچھلے زمانے میں پایا جانا فضیلت سے تعلق نہیں رکھتا۔ اگر بالفرض آپ کے بعد کوئی نبی آ جائے تو آپ کی فضیلت پر اُس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا کیونکہ خاتم النبیین ہونے میں امکانِ ذاتی کی نفی نہیں یعنی آپ کے بعد کسی نبی کا ہونا ممکن ہے۔''

اس شبہ کا ازالہ حضرت مولانا مرحوم' مصنفِ کتاب نے اپنے اس مضمون میں نہایت وضاحت کے ساتھ کیا ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے: ''خاتم النبیین کا وصف آنحضور ﷺ کا خاصہ ہے جو آپ کی ذات گرامی کے ساتھ مختص ہے کسی اور میں پایا نہیں جاسکتا۔ خاتم النبیین کا لقب ازل ہی سے آپ کے لیے مقرر ہے۔ اس کا اطلاق آپ کے سوا کسی اور پر نہیں ہوسکتا کیونکہ خاتم النبیین کا مفہوم جزئی حقیقی ہے۔ جزئی حقیقی وہ ہے جس کا اطلاق ایک سے زائد پر عقلاً ممتنع ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں کسی اور خاتم النبیین کا ذاتی امکان باقی نہ رہا۔''

اسی مضمون کو حضرت نے تحذیر الناس کے جواب میں پھیلا کر تحریر فرمایا ہے اور اِس میں وضاحت فرمائی ہے کہ جب اللہ جل شانہ نے آنحضور ﷺ کو اپنے کلامِ قدیم میں ''خاتم النبیین'' فرمایا ہے تو حضور اَزل ہی سے اس صفتِ خاص کے ساتھ متصف ہیں۔ ایسا کوئی زمانہ نہیں جو باری تعالیٰ کے علم اور کلام پر مقدم ہو۔ اس میں کوئی اور شخص اس وصف سے متصف ہو سکے۔ پس خاتم النبیین کی صفت مختصہ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی میں منحصر ہے' کسی دوسرے کا اس صفت کے ساتھ اتصاف محال ہے۔''

● ﴿مولوی محمد قاسم نانوتوی کی فلسفیانہ بحث بدعت﴾

اس کے بعد حضرت مولانا نے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ جو لوگ ﴿کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَـةٌ﴾ پڑھ کر ہر نئی بات کو خواہ حسنہ ہو یا سیئہ مستوجبِ دوزخ قرار دیا کرتے ہیں' وہ اس سوال کا جواب دیں کہ کیا خاتم النبیین پر فلسفی بحث بدعت نہیں ہے۔ جو نہ قرآن میں ہے اور نہ اس کے بارے میں کوئی حدیث وارد ہے' نہ قرون ثلاثہ میں' صحابہ' تابعین اور تبع تابعین نے خاتم النبیین پر ایسی کوئی بحث کی ہے؟

● ﴿مولوی محمد قاسم نانوتوی کی فلسفیانہ بحث کا نتیجہ﴾

مزید براں اس بدعتِ قبیحہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ قادیانی نے اس فلسفیانہ اِستدلال سے اپنی نبوت پر دلیل پیش کی اور شہادت میں مصنفِ تحذیر الناس کا نام پیش کیا۔ اب یہ مقدمہ مدعی اور گواہ کے ساتھ اسی بارگاہ میں پیش ہوگا' جس نے اُمت کو تعلیم دی ہے کہ اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند مت کرو۔ بلند کرو گے تو تمہارے سارے اعمال حبط کر دیے جائیں گے۔

﴿محمد عبدالحمید شیخ الجامعہ نظامیہ: انوارِ احمدی' ص: 42﴾

● ﴿مولوی محمد قاسم نانوتوی کے انکارِ ختمِ نبوت پر تنبیہات﴾

اس حاشیہ کے بعد اب حضرت مصنف کی وہ زلزلہ فگن تنبیہات ملاحظہ فرمائیں جو لفظ خاتم النبیین کے سلسلے میں ''تحذیر الناس'' کے مصنف کے خلاف انہوں نے صادر فرمائی ہیں:

❶ پہلی تنبیہ:

''بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اگر چہ دوسرے کا خاتم النبیین ہونا محال و ممتنع ہے مگر یہ امتناع لغیرہٖ ہوگا نہ بالذات! جس سے امکانِ ذاتی کی نفی نہیں ہوسکتی۔ سو اِس کا جواب یہ ہے کہ وصفِ خاتم النبیین خاصہ آنحضرت ﷺ کا ہے جو دوسرے پر صادق نہیں آ سکتا۔ موضوع لہٗ اس لقب کا ذات آنحضرت ﷺ ہے کہ عند الاطلاق کوئی دوسرا اِس مفہوم میں شریک نہیں ہوسکتا۔ پس یہ مفہوم جزئی حقیقی ہے۔''

﴿انوارِ احمدی، ص: 42﴾

❷ دوسری تنبیہ:

''پھر جب عقل نے بہ تبعیتِ نقل خاتم النبیین کی صفت کے ساتھ ایک ذات کو متصف مان لیا تو اس کے نزدیک محال ہوگیا کہ کوئی دوسری ذات اس صفت کے ساتھ متصف ہو۔ بحسب منطوق لازم الوثوق ﴿مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ﴾ ابد الآباد تک کے لیے یہ لقب مختص آنحضرت ﷺ ہی کے لیے ٹھہرا تو جزئیت اس مفہوم کی ابد الآباد تک کے لیے ہوگی کیونکہ یہ لقب قرآن شریف سے ثابت ہے جو بلاشک قدیم ہے۔'' ﴿انوارِ احمدی، ص: 43﴾

❸ تیسری تنبیہ:

''اب دیکھا جائے کہ مصداق اس صفت کا کب سے معین ہوا۔ سو ہمارا دعویٰ ہے کہ

ابتدائے عالم امکاں سے جس قسم کا بھی وجود فرض کیا جائے ہر وقت آنحضرت ﷺ اس صفت خاصہ کے ساتھ متصف ہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ اپنے کلامِ قدیم میں آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین فرما چکا۔ اب کون سا ایسا زمانہ نکل سکے گا جو اللہ کے وصفِ علم و کلام پر مقدم ہو؟''

﴿انوارِ احمدی، ص: 47﴾

❹ چوتھی تنبیہ:

غیرتِ عشقِ محمدی بڑی چیز ہے۔ جب اسے جلال آتا ہے تو ایک زلزلہ کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ مسلمان سب کچھ برداشت کرسکتا ہے لیکن اسے اپنے محبوب کی تنقیص ذرا بھی برداشت نہیں۔ مصنفِ کتاب باوجود یہ کہ بہت نرم طبیعت کے آدمی ہیں لیکن اس موقع پر اُن کے قلم کا جلال دیکھنے کے قابل ہے۔ کسی اور خاتم النبیین کے امکان کے سوال پر اُن کے ایمان کی غیرت اس درجہ بے قابو ہوگئی ہے کہ سطر سطر سے لہو کی بوند ٹپک رہی ہے۔ میدانِ وفا میں عشق کو سر بکف دیکھنا ہو تو یہ سطریں پڑھیے۔

مصنف کتاب ''تحذیر الناس'' کے مباحث کا محاسبہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''اب ہم ذرا اُن صاحبوں سے پوچھتے ہیں کہ اب وہ خیالات کہاں ہیں جو ﴿کُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ﴾ پڑھ پڑھ کر ایک عالم کو دوزخ میں لے جا رہے تھے۔ کیا اس قسم کی بحثِ فلسفی بھی کہیں قرآن و حدیث میں وارد ہے؟ یا قرونِ ثلاثہ میں کسی نے کی تھی۔ پھر ایسی بدعت قبیحہ کے مرتکب ہو کر کیا استحقاق پیدا کیا اور اس مسئلہ میں جب تک بحث ہوتی رہے گی اس کا گناہ کس کی گردن پر ہوگا؟ دیکھیے! حضرت جریر کی روایت سے حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اسلام میں

کوئی بُرا طریقہ نکالے تو اس پر جتنے لوگ عمل کرتے رہیں گے سب کا گناہ اُس کے ذمہ ہوگا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کچھ کمی نہ ہوگی۔" ﴿رواہ مسلم﴾

﴿انوارِ احمدی ص:48﴾

لکھتے لکھتے اس مقام پر عشق و ایمان کی غیرت نقطۂ انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ غیظ میں ڈوبے ہوئے ان کلمات کا ذرا تیور ملاحظہ فرمائیے! تحریر فرماتے ہیں: "بھلا جس طرح حق تعالیٰ کے نزدیک صرف آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں ویسا ہی اگر آپ کے نزدیک بھی رہتے تو اس میں آپ کا کیا نقصان تھا؟ کیا اس میں بھی کوئی شرک و بدعت رکھی تھی جو طرح طرح کے شاخسانے نکالے گئے؟ یہ تو بتائیے کہ ہمارے حضرت نے آپ کے حق میں ایسی کونسی بدسلوکی کی تھی جو اس کا بدلہ اس طرح لیا گیا کہ فضیلتِ خاصہ بھی مسلم ہونا مطلقاً ناگوار ہے۔ یہاں تک کہ جب دیکھا کہ خود حق تعالیٰ فرما رہا ہے کہ آپ سب نبیوں کے خاتم ہیں تو کمال تشویش ہوئی کہ فضیلتِ خاصہ ثابت ہوئی جاتی ہے۔ جب اس کے ابطال کا کوئی ذریعہ دینِ اسلام میں نہ ملا تو فلاسفۂ معاندین کی طرف رجوع کیا اور امکانِ ذاتی کی شمشیرِ دودُم (دودھاری تلوار) ان سے لے کر میدان میں آ کھڑے ہوئے۔" ﴿انوارِ احمدی ص:49﴾

⑤ پانچویں تنبیہ:

"افسوس ہے اس دُھن میں یہ بھی نہ سوچا کہ معتقدین سادہ لوح کو اس خاتم فرضی کا انتظار کتنے کنوئیں جھنکائے گا۔ مقلدین سادہ لوح کے دلوں پر اس تقریرِ نامعقول کا اتنا اثر تو ضرور ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی خاتمیت میں کسی قدر شک پڑ گیا۔ چنانچہ بعض اتباع نے اس بنا پر الف لام خاتم النبیین سے یہ بات بنائی کہ حضرت صرف ان نبیوں

کے خاتم ہیں جو گزر چکے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور کے بعد بھی انبیاء پیدا ہوں گے اور اُن کا خاتم کوئی اور ہوگا۔ معاذ اللہ! اس تقریر نے یہاں تک پہنچا دیا کہ قرآن کا انکار ہونے لگا۔ ذرا سوچیے! حضور کے خاتم النبیین ہونے کے سلسلے میں یہ سارے احتمالات حضور کے روبرو نکالے جاتے تو حضور پر کس قدر شاق گزرتا؟"

﴿انوارِ احمدی ص:50﴾

⑥ چھٹی تنبیہ:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضور ﷺ کے سامنے تورات کے مطالعہ کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو اس پر حضور کی حالت کس قدر متغیر ہوگئی تھی کہ چہرۂ مبارک سے غضب کے آثار پیدا تھے۔ باوجود اس خلقِ عظیم کے ایسے جلیل القدر صحابی پر کیسا عتاب فرمایا تھا جس کا بیان نہیں۔ جو لوگ تقرب و اخلاص کے مذاق سے واقف ہیں وہی اس کیفیت کو سمجھ سکتے ہیں، پھر یہ فرمایا کہ اگر خود حضرت موسیٰ علیہ السلام میری نبوت کا زمانہ پاتے تو سوائے میرے اتباع کے ان کے لیے کوئی چارہ نہ ہوتا۔ اب ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صحابی بااخلاص کی صرف اتنی حرکت اس قدر ناگوارِ طبعِ غیور ہوئی کہ کسی زید و عمر کی اس تقریر سے جو خود خاتمیتِ محمدی میں شک ڈال دیتی ہے حضور کو کیسی اذیت پہنچتی ہوگی۔ کیا یہ ایذا رسانی خالی جائے گی؟ ہرگز نہیں! حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا﴾ جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ کو اور اُس کے رسول کو لعنت کرے گا اللہ اُن پر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور تیار کر رکھا ہے ان کے لیے ذلت کا عذاب۔"

﴿انوارِ احمدی ص:52﴾

اس عنوان کے تحت حضرت مصنف ﷫ نے صفحۂ قرطاس پر علم وحکمت اور عشق و عرفان کے ایسے ایسے قیمتی جواہرات بکھیرے ہیں کہ ان کی جگمگاہٹ سے آنکھیں خیرہ ہونے لگتی ہیں۔ چونکہ درود وسلام بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں تقرب کا ایک نہایت مؤثر ذریعہ ہے' اس لیے مصنف کتاب نے اس بحث کو علمی نوادرات اور عقیدۂ اخلاص کے محرکات سے اتنا آراستہ کردیا ہے کہ اس کے بے لاگ مطالعہ کے بعد دِلوں کو والہانہ محبت کی وارفتگی سے بچالینا بہت مشکل ہے تا آنکہ کسی کے دل ہی پر سیاہ بختی کی مہر لگ گئی ہو۔ حضرت مصنف نے دُرود وسلام کے سلسلے میں بحث کے اتنے نئے نئے گوشے پیدا کیے ہیں کہ ان کے ذہنی تجسس اور قوتِ فکر کی نکتہ آفرینی پر حیرت ہوتی ہے۔

آنے والے صفحات کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ واضح طور پر محسوس کریں گے کہ حضرتِ مصنف اس طبقے سے پوری طرح باخبر ہیں جو درود وسلام کا مخالف ہے یا دوسرے لفظوں میں درود وسلام کو فروغ دینے والی روایات ومحرکات کا دشمن ہے۔

﴿فضائل درود وسلام﴾

درود شریف کی برکات اور فضائل ومناقب پر رَوشنی ڈالتے ہوئے حضرت مصنف ﷫ رقمطراز ہیں: ''درود شریف کی برکت سے فقر وتنگدستی دور ہوتی ہے۔ پردۂ غیب سے رزق کے بہت سے دروازے کھلتے ہیں۔ درود شریف کا ورد رکھنے والا نبی پاک ﷺ کی روحانیت سے بہت قریب ہوجاتا ہے۔ درود وسلام ایک مرشد کی طرح قلوب کا تزکیہ کرتا ہے اور وِرد رکھنے والے کو گناہوں کی آلودگی اور نفس کی شرارت سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس کا ثواب پہاڑوں کے برابر صدقہ دینے اور غلام آزاد کرنے کے مثل ہے۔ درود شریف

تیسرا باب

درود وسلام کے فضائل وکمالات

گناہوں کو مٹاتا ہے اور نیکیوں کے ذخیرے کو بڑھاتا ہے۔ درود پڑھنے والا مرنے سے پہلے دیکھ لیتا ہے کہ جنت میں اس کا کہاں ٹھکانہ ہے؟ قیامت کی ہولناک گھڑی میں درود شریف پڑھنے والے کو عرشِ الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا اور ہول و دہشت سے نجات پائے گا۔ حضور انور ﷺ کی شفاعت و قربت اُسے میسر آئے گی' آخرت کی سرفرازی اور کامیابی اسے حاصل ہوگی۔ درود شریف کا وِرد رکھنے والا قبر کی وحشت سے محفوظ رہے گا اور حق تعالیٰ کے غضب سے امن پائے گا۔"

﴿انوارِ احمدی' ص:54﴾

درود شریف کے اہتمام کی ضرورت:

اس عنوان کے تحت حضرت مصنف ﷫ تحریر فرماتے ہیں: "حق تعالیٰ کو منظور ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ذکرِ مبارک کثرت سے ہو۔ اسی لیے جملہ مؤمنین کو درود شریف پڑھنے کا امر فرمایا۔ وہ بھی اس خوبی کے ساتھ کہ میں خود بھی اس کام میں مشغول ہوں اور تمام ملائکہ بھی مشغول ہیں' لہٰذا اے ایمان والو! تمہیں بھی چاہیے کہ تم بھی اسی کام میں مشغول رہو۔ مطلب یہ ہے کہ جب خود خداوند قدیر اور اُس کے تمام فرشتے تمہارے نبی ﷺ پر ہر وقت درود بھیجتے ہیں تو بطریقِ اولیٰ تمہیں چاہیے کہ پوری جانفشانی اور دل دہی کے ساتھ تم اِس کام میں مشغول رہو کیونکہ تم اس نبی کے اُمتی بھی ہو اور اس کے احسان کے نیچے تمہارا بال بال دبا ہوا بھی ہے۔ اُمت کی مغفرت و نجات کے لیے اگر اپنے رسول کے گریہ شب اور مناجاتِ سحر کا شکریہ تم پورے طور پر ادا نہیں کر سکتے تو کم از کم اتنا تو کرو کہ ان کے ذکر میں رطب اللسان رہو۔ بڑے شرم کی

بات ہے کہ ایک طرف اُمتی ہونے کا بھی دعویٰ ہے اور دوسری طرف اُن کے ذکر سے گریز کا راستہ بھی تلاش کرتے ہو۔"

﴿انوارِ احمدی' ص:58﴾

اس کے بعد مصنف کتاب نے درود شریف کے فضائل پر دو حیرت انگیز اور ایمان افروز حدیثیں پیش کی ہیں۔

﴿فضائلِ درود شریف پر دو ایمان افروز حدیثیں﴾

❶ پہلی حدیث:

● ﴿فضائل درود شریف﴾

کنزالعمال کی روایت کے مطابق حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جبریل امین نے مجھے خبر دی ہے: جو اُمتی آپ پر درود پڑھتا ہے اس کے بدلے میں حق تعالیٰ دس نیکیاں لکھتا ہے۔ اس کے دس گناہ مٹاتا ہے اور دس بار اس کے درجے بلند کرتا ہے۔ ایک فرشتہ درود پڑھنے والے کے حق میں وہی الفاظ کہتا ہے جو وہ آپ کے حق میں کہتا ہے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: وہ فرشتہ کیا ہے؟ جواب دیا: حق تعالیٰ نے جب سے آپ کو پیدا کیا ہے' اسی وقت سے وہ فرشتہ اس کام پر مقرر ہے کہ آپ کا جو اُمتی آپ پر درود پڑھے' وہ فرشتہ جواب میں کہے کہ تجھ پر بھی خدا اپنی رحمت نازل فرمائے۔

فائدہ: یہ حدیث بیان کرنے کے بعد مصنف کتاب ایک عجیب و غریب نکتہ تحریر فرماتے ہیں: "اب دیکھیے درود شریف پڑھنے کا حکم 2ھ میں صادر ہوا لیکن درود پڑھنے کا صلہ دینے کے لیے وہ فرشتہ پہلے ہی سے موجود ہے۔ اس بات سے ظاہر ہوتا

ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں درود شریف کی کیسی قدر و قیمت ہے اور اس کی عظمتِ شان کے اظہار کے لیے حق تعالیٰ نے کتنا اہتمام کیا ہے۔ اس حدیث کے مضمون سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ حکم سے پہلے درود شریف پڑھنے والے بھی موجود ہوں گے اور وہ فرشتے ہیں۔"

﴿انوارِ احمدی، ص:58﴾

❷ دوسری حدیث:

● ﴿سونے کا قلم، چاندی کی دوات، نور کا کاغذ﴾

مصنف کتاب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: امام سخاوی نے اپنی کتاب القول البدیع میں ایک بزرگ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ آنکھیں بند کیے ہوئے درود شریف پڑھ رہے تھے۔ اسی دوران اُنہیں محسوس ہوا کہ جو درود شریف وہ پڑھ رہے ہیں کوئی لکھنے والا اسے کاغذ پر لکھ رہا ہے۔ جب انہوں نے اپنی آنکھیں کھولیں تو وہ غائب ہو گیا۔

اسی سلسلہ کی ایک اور حدیث کنز العمال میں حضرت دیلمی کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے جس کے راوی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ مخصوص فرشتے ہیں جو جمعہ کی رات اور دن کے وقت آسمان سے نازل ہوتے ہیں، ان کے ہاتھوں میں سونے کا قلم، چاندی کی دوات اور نور کے کاغذ ہوتے ہیں۔ ان کا کام صرف یہ ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ پر پڑھا جانے والا درود شریف لکھتے رہیں۔

اس حدیث کی عربی عبارت یہ ہے: ﴿بِاَيْدِيْهِمْ اَقْلَامٌ مِّنْ ذَهَبٍ وَّدَوِيٌّ مِّنْ

فِضَّةٍ وَّقَرَاطِيْسُ مِنْ نُّوْرٍ لَا يَكْتُبُوْنَ اِلَّا الصَّلٰوةَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ﴾ ان کے ہاتھوں میں سونے کے قلم، چاندی کی دواتیں اور نور کے کاغذ ہوتے ہیں۔ ان کا کام صرف یہ ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ پر پڑھا جانے والا درود شریف لکھتے رہیں۔

● فضیلت درود شریف کا ایک رِقت انگیز واقعہ

مصنف کتاب نے طبرانی کے حوالے سے ایک نہایت رِقت انگیز واقعہ نقل کیا ہے جو حضور نبی پاک ﷺ کے مشہور صحابی حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن صبح کے وقت ہم آنحضرت ﷺ کے ہمراہ گھر سے نکلے۔ جب مدینے کے ایک چوراہے پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک دیہاتی اپنے اونٹ کی مہار تھامے ہوئے سامنے سے چلا آ رہا ہے۔ جب وہ حضور ﷺ کے قریب پہنچا تو اس طرح سلام عرض کیا ﴿اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ﴾ آپ نے اس کے سلام کا جواب مرحمت فرمایا۔

اسی دوران ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور حضور کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! یہ دیہاتی میرا اُونٹ چرا کر لیے جا رہا ہے۔ اس پر اُونٹ نے اپنے منہ سے ایک آواز نکالی جسے سنتے ہی ارشاد فرمایا: تُو میرے سامنے سے دفع ہو جا! اُونٹ خود گواہی دے رہا ہے کہ تُو جھوٹا ہے۔

جب وہ چلا گیا تو حضور ﷺ نے اُس دیہاتی سے فرمایا: جس وقت تُو میری طرف آ رہا تھا اس وقت کیا پڑھ رہا تھا؟ اس نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! اُس وقت میں یہ درود شریف پڑھ رہا تھا ﴿اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ حَتّٰى لَا

تَبْقٰى مِنَ الصَّلٰوةِ شَيْئٌ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ حَتّٰى لَا تَبْقٰى مِنَ السَّلَامِ شَيْئٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ حَتّٰى لَا تَبْقٰى مِنَ الْبَرَكَةِ شَيْئٌ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ حَتّٰى لَا تَبْقٰى مِنَ الرَّحْمَةِ شَيْئٌ﴾

یہ سن کر حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے دیکھا کہ تیرے منہ سے نکلے ہوئے درود کے الفاظ وصول کرنے کے لیے آسمان سے اتنے فرشتے نازل ہوئے کہ مدینہ کے آسمان کا سارا اُفق فرشتوں سے بھر گیا۔

اس حدیث سے مصنف کتاب نے استدلال کیا ہے کہ درود شریف پڑھنے کے وقت آسمان سے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور حضور ﷺ کو پڑھنے والے کے منہ سے درود شریف کے نکلے ہوئے الفاظ تک نظر آتے ہیں۔

● حضورِ اقدس ﷺ کے دربار میں درود و سلام کس طرح پہنچتا ہے؟

مصنف کتاب رحمۃ اللہ علیہ نے اس عنوان کے تحت بیان فرمایا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے دربار میں تین طریقوں سے درود و سلام پہنچتا ہے۔

❶ پہلا طریقہ:

﴿درود و سلام بواسطہ ملائکہ﴾

پہلا طریقہ یہ ہے کہ رحمت کے فرشتے منہ سے نکلے ہوئے درود و سلام کے الفاظ لے کر عرشِ الٰہی کی طرف پرواز کرتے ہیں۔ راستے میں جس فرشتے پر بھی ان کا گزر ہوتا ہے وہ کہتا ہے: ﴿صَلُّوْا عَلٰى قَائِلِهَا كَمَا صَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ﴾ (القول البديع، مسالك الحنفاء) اس درود پڑھنے والے کے لیے بھی اسی

طرح رحمت کی دعا کرو جس طرح اس نے حضرت محمد ﷺ پر درود بھیجا ہے۔

جب بارگاہ رب العزت میں وہ درود و سلام پیش کرتے ہیں تو حکم ہوتا ہے: ﴿اِذْهَبُوْا بِهَا اِلٰى قَبْرِ عَبْدِيْ يَسْتَغْفِرُ لِقَائِلِهَا وَيَقُرُّ بِهَا عَيْنُهُ﴾ (رواه الديلمي عن ام المؤمنين حضرت عائشه صديقه رضی اللہ عنہا) اس درود کو میرے محبوب ﷺ کی قبر شریف کی طرف لے جاؤ اور ان کے سامنے پیش کرو تا کہ وہ درود پڑھنے والے کے لیے دعائے مغفرت کریں اور درود شریف کے ذریعہ اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں۔

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں: ''اس اہتمام اور فضل کو دیکھیے کہ قبل اس کے کہ ہدیۂ درود بارگاہ مرجع عالم ﷺ میں پیش ہو، حق تعالیٰ صرف بہ نظرِ عزت افزائی اسے اپنی بارگاہ میں طلب فرماتا ہے۔ اس ارشاد کے ساتھ اپنے حبیب علیہ السلام کے حضور میں روانہ فرماتا ہے کہ اس کے بھیجنے والے کو بہ دعائے خیر یاد فرمائیں۔ سبحان اللہ! عنایت و اکرام کا کیسا عظیم الشان ذریعہ قائم کیا گیا کہ اب تک کسی کو نصیب ہوا کہ ہم لوگ درود پڑھیں تو ہمارا ذکرِ خیر عالمِ ملکوت میں ہونے لگے؟''

﴿انوارِ احمدی، ص:66﴾

❷ دوسرا طریقہ:

● ﴿درود و سلام بواسطہ حضرت جبریل علیہ السلام﴾

حضرت جبریل امین علیہ السلام درود و سلام کا تحفہ حضور اکرم ﷺ کے دربارِ گہر بار میں براہِ راست خود پہنچاتے ہیں۔ جیسا کہ امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں حضرت عبدالرحمٰن ابنِ عوف رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس مضمون کی ایک حدیث نقل فرمائی

ہے۔ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِذَا مِتُّ اِلَّا جَاءَنِيْ سَلَامُهُ مَعَ جِبْرَئِيْلَ وَيَقُوْلُ يَا مُحَمَّدُ هٰذَا فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ يَقْرَأُكَ السَّلَامَ فَاَقُوْلُ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ﴾ میری وفات کے بعد تم میں سے جو شخص بھی مجھ پر سلام بھیجے گا اسے جبریل امین اپنے ساتھ لے کر میرے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ فلاں ابنِ فلاں نے آپ پر یہ سلام بھیجا ہے میں جواب میں کہوں گا کہ اس پر بھی سلام اور اللہ کی رحمت و برکت نازل ہو۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ خاص ایک فرشتہ اسی خدمت پر مامور ہے کہ وہ رُوئے زمین کے طول و عرض میں پیش کیے جانے والے درود و سلام کا تحفہ حضور ﷺ تک پہنچائے۔ جیسا کہ کنز العمال میں امام طبرانی کی روایت سے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے جس کے اصل راوی حضرت عمار رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے انہیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: ﴿يَا عَمَّارُ! اِنَّ لِلّٰهِ مَلَكًا اَعْطَاهُ سِمَاعَ الْخَلَائِقِ وَهُوَ قَائِمٌ عَلٰى قَبْرِيْ اِذْ مِتُّ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَيْسَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِيْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً اِلَّا يُسَمِّيْ بِاسْمِهٖ وَاسْمِ اَبِيْهِ قَالَ يَا مُحَمَّدُ صَلّٰى فُلَانٌ عَلَيْكَ كَذَا وَكَذَا فَيُصَلِّي الرَّبُّ عَلٰى ذَالِكَ الرَّجُلِ بِكُلِّ وَاحِدَةٍ عَشْرًا﴾ اے عمار! اللہ کا ایک فرشتہ ہے جسے اللہ نے جملہ مخلوقات کی آواز سننے کی قدرت عطا کی ہے اور وہ میرے ظاہری پردہ کے بعد میری قبر پر قیامت تک کھڑا رہے گا اور میرا جو اُمتی مجھ پر درود پڑھے گا وہ اس کے نام اور ولدیت کے ساتھ اس کا بھیجا ہوا درود مجھ تک پہنچائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے ہر درود کے بدلے میں اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔

کنز العمال میں اسی مضمون کی ایک اور حدیث حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی نقل ہوئی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ﴿اَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَيَّ فَاِنَّ اللّٰهَ وَكَّلَ لِيْ مَلَكًا عِنْدَ قَبْرِيْ فَاِذَا صَلّٰى رَجُلٌ مِّنْ اُمَّتِيْ قَالَ ذَالِكَ الْمَلَكُ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ فُلَانَ ابْنَ فُلَانٍ صَلّٰى عَلَيْكَ السَّاعَةَ﴾ (دیلمی) مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کہ اللہ نے ایک فرشتہ میری قبر پر مقرر کیا ہے۔ جب میرا کوئی اُمتی مجھ پر درود پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ کہتا ہے کہ اے محمد! فلاں کے بیٹے فلاں نے ابھی آپ پر درود پڑھا ہے۔

③ تیسرا طریقہ:

● ﴿بلاواسطہ حضور اکرم ﷺ بذاتِ خود سماعت فرمائیں﴾

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ہر اُمتی کا درود و سلام حضور پاک صاحبِ لولاک ﷺ بذاتِ خود اپنے گوشِ مبارک سے سنتے ہیں۔ جیسا کہ امام طبرانی کے حوالہ سے محدث کبیر ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب ''الجواہر المنظم'' میں حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے: ﴿لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُّصَلِّيْ عَلَيَّ اِلَّا بَلَغَنِيْ صَوْتُهٗ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَبَعْدَ وَفَاتِكَ؟ قَالَ وَبَعْدَ وَفَاتِيْ فَاِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ﴾ جو بندہ مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے صحابہ نے دریافت کیا کہ آپ کے ظاہری پردہ کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا؟ فرمایا: ہاں! میرے ظاہری پردہ کے بعد بھی کیونکہ اللہ نے انبیاء کے جسموں کا کھانا زمین پر حرام کردیا ہے۔

● ﴿سماعت نبوی ﷺ پر ایک فکر انگیز استدلال﴾

حضرت فاضل مصنف یہ ساری حدیثیں نقل کرنے کے بعد سماعتِ نبوی ﷺ پر ایک فکر انگیز استدلال کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''جب اتنی حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ بعض فرشتوں کے پاس قرب و بُعد یکساں ہے اور وہ آنِ واحد میں ہر شخص کی آواز برابر سنتے ہیں تو اب اہلِ ایمان کو آنحضرت ﷺ کے احاطۂ علمی میں شک کا کیا موقع ہوگا؟ اس لیے کہ مبنیٰ شک و انکار کا یہی تھا کہ اس میں شرک فی الصفۃ لازم آتا ہے (یعنی اگر حضور ﷺ کے بارے میں دُور سے سننے کا عقیدہ رکھا جائے تو خدا کے ساتھ برابری لازم آجائے گی لیکن جب فرشتے دُور سے ہر شخص کا درود و سلام سن لیتے ہیں تو ثابت ہوا کہ یہ صفت خدا کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اس نے یہ صفت اپنی مخلوق کو بھی عطا کی ہے) پھر جب آنحضرت ﷺ کے خدام میں یہ صفت بطریق اولیٰ اور بدرجہ اَتم موجود ہو۔ جیسا کہ حدیثِ ماسبق میں خود حضور ﷺ نے اس کی صراحت فرمادی ہے کہ جو شخص بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے' میں اس کی آواز خود سنتا ہوں تو آپ کے احاطۂ علمی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟''

﴿انوارِ احمدی' ص:70﴾

﴿ایک شبہ کا نہایت نفیس جواب﴾

فاضل مصنف ؒ نے ایک شبہ کا جواب دیتے ہوئے نہایت شاندار بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب اپنے غلاموں کا درود و سلام حضور ﷺ خود سنتے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں کا درود و سلام پہنچانے کے لیے پھر فرشتے کیوں مقرر

کیے گئے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آخر حق تعالیٰ کے حضور میں بھی تو بندوں کے اعمال بذریعۂ ملائک ہی پیش ہوتے ہیں حالانکہ وہ عالم الغیب ہے' بندوں کے سارے اعمال و افعال سے وہ باخبر ہے۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ بذریعۂ ملائک اعمال پیش کیے جانے کی وجہ لاعلمی نہیں بلکہ سطوتِ شاہانہ اور شوکتِ حاکمانہ کا اظہار ہے۔ یہی حکمت فرشتوں کے ذریعہ درود و سلام کی پیشی میں بھی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی قبر شریف کے پاس بھی اگر کوئی شخص درود و سلام پیش کرتا ہے تو اسے بھی آپ تک فرشتے ہی پہنچاتے ہیں' اس سے بھی حضور نبی پاک ﷺ کی عظمت و شوکت کا اظہار مقصود ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿مَا مِنْ عَبْدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ اِلَّا وَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ مَلَكًا يُبَلِّغُنِيْ وَكَفٰى اَمْرَ اٰخِرَتِهٖ وَدُنْيَاهُ كُنْتُ بِهٖ شَهِيْدًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ (کنزالعمال) جو بندہ بھی میری قبر کے پاس مجھے سلام کرتا ہے' اس کا سلام مجھ تک وہ فرشتہ پہنچاتا ہے جو اس کام کے لیے مقرر ہے۔ اس کا سلام دنیا و آخرت کی جملہ مہمات کے لیے کافی ہے اور میں قیامت کے دن اس پر گواہی دوں گا۔

اس کے علاوہ سلام پہنچانے پر بہت سے فرشتے مامور ہیں جو ہمیشہ اسی تلاش میں پھرا کرتے ہیں۔ جہاں کسی نے سلام عرض کیا فوراً حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جیسا کہ مسالک الحنفاء میں حضرت ابن مسعود ؓ سے یہ حدیث منقول ہے: ﴿قَالَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً سَيَّاحِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ عَنْ اُمَّتِي السَّلَامَ﴾ (احمد' نسائی' دارمی' بیہقی) اللہ کے بہت سے فرشتے ہیں جو ہر وقت زمین کا چکر لگاتے رہتے ہیں اور میرا

جو اُمتی مجھ پر سلام عرض کرتا ہے وہ اس کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ جیسے درود شریف پہنچانے کے دو ذریعے ہیں، اسی طرح سلام پہنچانے کے بھی دو ذریعے ہیں۔ ایک حضرت جبریل امین، دوسرے یہ ملائکہ سیاحین۔

اس کے بعد حضرت مصنف نے درود شریف کی فضیلت میں دو حدیثیں نقل فرمائی ہیں جو نہایت عظیم الشان ہیں۔

❶ پہلی حدیث:

● ﴿عظمتِ درود شریف﴾

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو شخص میرے حق کی تعظیم و تکریم کی نیت سے مجھ پر درود پڑھتا ہے، حق تعالیٰ اُس کلمہ سے ایک ایسا عظیم الجثہ فرشتہ پیدا کرتا ہے، جس کا ایک بازو مشرق میں ہوتا ہے، دوسرا بازو مغرب میں، پاؤں تحت الثریٰ میں اور عرشِ الٰہی کے نیچے اس کی گردن جھکی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ میرے اس بندے کے حق میں تُو بھی رحمت و مغفرت کی دعا مانگ جس طرح اس نے میرے پیارے نبی پر درود بھیجا ہے۔ چنانچہ وہ فرشتہ قیامت تک اس بندے کے حق میں رحمت و مغفرت کی دعا کرتا رہے گا۔

(روایت کیا اس حدیث کو دیلمی نے مسند الفردوس میں اور ابن شاہین نے ترغیب میں)

❷ دوسری حدیث:

● ﴿عجیب الخلقت فرشتہ کی درود خوان کے حق میں دعا﴾

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ حق تعالیٰ نے مجھے وہ رتبے دیے ہیں جو کسی نبی کو نہیں

ملے اور مجھے سارے نبیوں پر فضیلت دی۔ میری اُمت کے لیے اعلیٰ درجے مقرر فرمائے کہ وہ مجھ پر درود پڑھتے ہیں اور متعین فرمایا میری قبر کے پاس ایک فرشتہ جس کا نام منطوش ہے۔ وہ اتنا طویل القامت اور عظیم الجثہ ہے کہ اُس کا سر عرشِ الٰہی کے نیچے اور اس کا پاؤں تحت الثریٰ میں ہے۔ اس کے اسّی ہزار بازو ہیں، اسّی ہزار پَر ہیں۔ پَر کے نیچے اسّی ہزار رَونگٹے ہیں اور ہر رونگٹے کے نیچے ایک زبان ہے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتا ہے اور اُس شخص کے حق میں دعائے مغفرت کرتا ہے جو میرا اُمتی مجھ پر درود پڑھے۔

یہ حدیث حضرت معاذ ابنِ جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (روایت کیا: ابنِ بشکوال نے)

ان حدیثوں کو نقل کرنے کے بعد حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ”شاید اتنے بڑے فرشتوں کا وجود مستبعد سمجھا جائے تو میں سوال کروں گا کہ استبعاد کی وجہ کیا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ ایسے عظیم الجثہ فرشتوں کے پیدا کرنے سے قاصر ہے؟ قاصر کہنا تو عقلاً اور نقلاً دونوں اعتبار سے باطل اور محال ہے کیونکہ خدا کی قدرتِ تخلیق کے لیے چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی مخلوق دونوں برابر ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ کسی چیز کی تخلیق کا ارادہ کر کے لفظ کُن کہا اور وہ چیز فوراً وجود میں آ گئی۔“

﴿انوارِ احمدی، ص:80﴾

● ﴿صلوٰۃ کے معنی کے تعین میں ایک شاندار علمی بحث﴾

حضرت فاضل مصنف نے اپنی کتاب میں ”صلوٰۃ“ کے معنی کی تفسیر میں ایک نہایت شاندار علمی بحث فرمائی ہے، جو اہلِ ایمان کے لیے قابلِ دید ہے۔

❶ پہلا معنٰی:

خطیب شربینی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ لغت میں "صلوٰۃ" کے معنیٰ دعا کے ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اَىْ اُدْعُ لَهُمْ﴾ آپ ان پر صلوٰۃ بھیجیں یعنی اُن کے لیے دعا کیجیے۔

دوسری آیت میں فرماتا ہے: ﴿اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾ بیشک آپ کی "صلوٰۃ" یعنی آپ کی دعا ان کے لیے تسکین کا موجب ہے۔

بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے: ﴿اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَلٰئِكَةُ تُصَلِّىْ عَلٰى اَحَدِكُمْ مَّا دَامَ فِى الصَّلٰوةِ مَا لَمْ يُحْدِثْ تَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ﴾ حضور ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص بھی جب تک درود پڑھنے میں مصروف رہتا ہے جب تک کہ وہ بے وضو نہ ہو اس کے حق میں فرشتے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

اس حدیث پاک اور آیاتِ قرآنی سے واضح ہو گیا کہ "صلوٰۃ" کے معنٰی "دعا" کے ہیں۔

❷ دوسرا معنٰی:

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر "صلوٰۃ" کے معنی دعا کے لیے جائیں تو ایسی صورت میں ﴿اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ﴾ کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ اللہ! تو دعا کر محمد ﷺ کے لیے۔ ظاہر ہے کہ یہ معنیٰ خدا کی جناب میں صادق نہیں آتے کیونکہ دعا مانگنا

بندوں کا کام ہے نہ کہ خدا کا۔ اس لیے صلوٰۃ کے معنٰی رحمت کے ہیں جیسا کہ شرح مواہب اللدنیہ میں ہے: ﴿قَالَ الْمُبَرِّدُ اَلصَّلٰوةُ مِنَ اللّٰهِ الرَّحْمَةُ وَالْاِنْعَامُ﴾ یعنی اللہ کی طرف سے صلوٰۃ کے معنیٰ رحمت اور انعام کے ہیں۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر درمنثور میں ﴿هُوَ الَّذِىْ يُصَلِّىْ عَلَيْكُمْ﴾ کی تفسیر میں ایک حدیث قدسی نقل فرمائی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اِنَّ صَلٰوتِىْ رَحْمَتِىْ سَبَقَتْ غَضَبِىْ﴾ میری صلوٰۃ سے مراد میری رحمت ہے جو میرے غضب پر غالب ہے۔

امام باقر حلبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے: ﴿اَلصَّلٰوةُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ هِىَ رَحْمَةٌ وَّمِنَ الْمَلٰئِكَةِ الْاِسْتِغْفَارُ وَمِنَ الْاُمَّةِ الدُّعَاءُ﴾ جب صلوٰۃ کی نسبت اللہ کی طرف ہوگی تو اس سے رحمت مراد ہوگی، جب ملائکہ کی طرف ہوگی تو اس سے استغفار مراد ہوگا اور جب اُمت کی طرف ہوگی تو اس سے دعا مراد ہوگی۔

❸ تیسرا معنٰی:

صلوٰۃ کے تیسرے معنٰی تعظیم و ثناء کے ہیں۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے ﴿قَالَ اَبُو الْعَالِيَةِ صَلٰوةُ اللّٰهِ ثَنَاءُهٗ عَلَيْهِ عِنْدَ الْمَلٰئِكَةِ﴾ ابوالعالیہ نے کہا کہ نبی پر اللہ کی صلوٰۃ سے مراد نبی کی ثناء بیان کرنا ہے فرشتوں کے مجمع میں۔

امام قسطلانی کی صراحت کے مطابق یہی معنٰی ابنِ قیم کے نزدیک بھی پسندیدہ ہیں۔ امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ ابنِ قیم نے اپنی کتاب "جلاء الافہام" میں کئی دلیلیں اس بات پر قائم کی ہیں کہ صلوٰۃ کے معنٰی رحمت کے نہیں ہو سکتے۔ ان کے دلائل کی تفصیل یہ ہے:

• پہلی دلیل:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ أُولٰئِکَ عَلَیْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوات ہیں اور رحمت ہے۔

یہاں رحمت کے عطف صَلَوات پر ہے اور یہ بات اہلِ زبان کے نزدیک مسلم ہے کہ عطف مغائرت کو چاہتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ صلوٰۃ کے معنیٰ رحمت کے نہیں ہو سکتے۔

• دوسری دلیل:

علماء کی صراحت کے مطابق صلوٰۃ انبیاء ورُسل کے ساتھ خاص ہے اور ان کے واسطہ سے عام مؤمنین بھی اس میں شامل ہیں لیکن رحمت کا مفہوم اتنا عام ہے کہ وہ مؤمن وغیر مؤمن، انسان اور غیر انسان سب کو شامل ہے۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ صلوٰۃ اور رَحمت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

• تیسری دلیل:

اگر صلوٰۃ کے معنیٰ رحمت کے ہوں تو جن لوگوں کے نزدیک آنحضرت ﷺ پر درود پڑھنا واجب ہے، چاہیے ﴿ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ سَیِّدَنَا مُحَمَّدًا وَّاٰلَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ ﴾ اے اللہ! تو رحمت نازل فرما ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ اور اُن کی آل پر، کہنے سے واجب ادا ہو جائے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ جب تک ﴿ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ ﴾ نہ کہا جائے واجب ادا نہ ہوگا۔

• چوتھی دلیل:

عرب کے عرف کے مطابق اگر کسی نے کسی پر رحم کر کے کھانا کھلا دیا تو زبانِ عرب میں اسے ﴿رَحِمَهُ﴾ کہا جاتا ہے یعنی اس نے اس پر رحم کیا۔ ﴿صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ﴾ نہیں کہا جا سکتا۔ دیکھیے یہاں رحمت کا مفہوم صادق آتا ہے لیکن صلوٰۃ کا نہیں، اس لیے ثابت ہوا کہ صلوٰۃ اور رَحمت دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

• پانچویں دلیل:

اگر صلوٰۃ کے معنیٰ رحمت کے ہوں تو آیہ شریفہ ﴿ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهُ ﴾ کے معنی یہ ہوں گے: اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے رحمت نازل کرتے ہیں نبی ﷺ پر، لہٰذا اے ایمان والو! تم بھی دعا کرو ان کے لیے۔

وجدانِ سلیم گواہی دیتا ہے کہ اس معنیٰ کے لحاظ سے کلام کے اوّل و آخر کے درمیان کوئی ربط نہیں ہے۔ بخلاف اس کے اگر صلوٰۃ کے معنیٰ تعظیم وثناء کے ہوں تو آیت کا مضمون مربوط ہو جائے گا۔ اللہ اور فرشتوں کی ثناء تو ظاہر ہے لیکن مؤمنین کی صلوٰۃ بصورت دعا بھی ثناء کو متضمن ہوگی کہ نبی ﷺ کے لیے حق تعالیٰ سے ثناء طلب کرنا بھی ایک طرح کی ثناء ہے۔

④ چوتھا معنیٰ:

بعض لوگوں نے کہا کہ صلوٰۃ سے مراد مغفرت ہے جیسا کہ امام قسطلانی اپنی کتاب مسالک الحنفاء میں تحریر فرماتے ہیں ﴿ إِنَّ صَلٰوةَ اللّٰهِ مَغْفِرَتُهُ ﴾ اللہ کی صلوٰۃ سے مراد اللہ کی مغفرت ہے۔

امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں اس مضمون کی ایک حدیث بھی نقل فرمائی ہے

جس سے اس دعوے پر انہوں نے استدلال کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب آیت کریمہ
﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ﴾ نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا ﴿ هٰذَا السَّلَامُ قَدْ عَرَفْنَاهُ فَكَيْفَ الصَّلٰوةُ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﴾ سلام کا طریقہ تو ہم جانتے ہیں اب صلوٰۃ کا طریقہ کیا ہوگا جبکہ خداوند قدوس نے آپ کے سارے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ بخش دیے۔ فرمایا: اس حکم کی تعمیل میں ﴿ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﴾ کہا کرو۔

اس حدیث میں صحابہ کرام کے سوال سے صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے صلوٰۃ کے لفظ سے مغفرت کا معنیٰ سمجھا۔ اس لیے انہیں تردد ہوا کہ مغفرت کرنے کا کام تو اللہ تعالیٰ کا ہے پھر بندوں کو مغفرت کا حکم دینے کا کیا مطلب ہوگا؟ یا اس لیے انہیں تردد ہوا کہ سورۂ فتح کی مشہور آیت کریمہ کے ذریعہ مغفرت کا پروانہ تو حضور اقدس ﷺ کو مل چکا اب دوبارہ مغفرت کا مطلب کیا ہوگا؟ اس لیے صلوٰۃ کے امتثال میں انہیں سوال کرنے کی ضرورت پیش آئی اور حضور ﷺ کے فرمان کے بعد اسے امتثالاً لامر صحابہ کرام نے قبول کرلیا۔

● ﴿ افضل الرسل ہونے کے حوالے سے ایک ایمان افروز حدیث ﴾

نویدِ مغفرت کے سلسلے میں حضرت فاضل نے قاضی عیاض کی کتاب الشفاء سے ایک ایسی روح پرور حدیث نقل فرمائی ہے کہ جس سے دل کی بیماریوں کو شفاء ملتی ہے اور حضور ﷺ کی جلالتِ شان مہرِ نیم روز کی طرح سب پر روشن ہو جاتی ہے۔ اس

حدیث کے راوی حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ایک موقع پر جبکہ میں رب العزت کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ ارشاد ہوا: اے محمد! کچھ سوال کرو؟ میں نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میں کیا سوال کروں؟ تُو نے حضرت ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا' حضرت موسیٰ کو اپنی ہم کلامی کا شرف بخشا اور حضرت نوح کو برگزیدہ کیا' حضرت سلیمان کو ایسی سلطنت عطا فرمائی کہ ان کے بعد ایسی سلطنت کسی اور کو سزاوار نہیں۔

ارشاد ہوا: جو میں نے تمہیں عطا کیا ہے وہ ان سب سے بہتر ہے۔ میں نے تمہیں کوثر دیا اور تمہارے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا کہ وہ آسمان میں ہر طرف پکارا جاتا ہے۔ تمہارے لیے اور تمہاری اُمت کے لیے میں نے ساری روئے زمین کو طیب وطاہر بنایا' تمہارے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ بخش دیئے اب آپ ایک مغفور کی شان کے ساتھ زمین پر چل رہے ہیں۔ آپ سے پہلے ان عنایاتِ بیکراں کا کوئی بھی حامل نہیں بن سکا۔ آپ کی اُمت کے دلوں کو میں نے اپنی جلوہ گاہ بنایا اور آپ کو شفاعت کے اس منصبِ جلیل پر فائز کیا کہ یہ درجہ اب تک کسی نبی کو نہیں مل سکا۔

اس مہکتی اور چمکتی ہوئی حدیث کی خوشبو سے آپ کے قلوب معطر اور آپ کی آنکھیں منور ہوگئی ہوں تو اب پھر اُسی سلسلۂ بحث کی طرف پلٹ آیئے کہ صلوٰۃ کے کیا معنیٰ ہیں۔

● ﴿ حضور اکرم ﷺ کی عظمت وفضیلت کے حوالے سے فیصلہ کُن بات ﴾

ان ساری تفصیلات کے بعد حضرت فاضل مصنف ﷫ صلوٰۃ کے معنیٰ کے سلسلے میں ایک فیصلہ کُن بات تحریر فرماتے ہیں: ''ان سب اقوال سے مقصود یہ ہے کہ کمالِ

تعظیم اور خصوصیت آنحضرت ﷺ کی حق تعالیٰ کے نزدیک سمجھی جاوے اور علوئے شان اور رفعتِ منزلت درود شریف کی ثابت ہو۔ یہاں تک کہ جنہوں نے صلوٰۃ سے رحمت مراد لی ہے اُن کا بھی مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ رحمتِ عامہ ہے بلکہ وہ رحمت مراد ہے جو آنحضرت ﷺ کے لیے خاص کی گئی ہے۔ جیسا کہ زرقانی نے اسی قسم کا جواب اس اعتراض کا دیا جو صاحبِ مواہب نے صلوٰۃ و رحمت میں مغائرت کو ثابت کرنے کے لیے آیت کریمہ ﴿ اُولٰئِکَ عَلَیْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ﴾ سے استدلال کیا ہے۔"

﴿انوارِ احمدی، ص: 88﴾

● **ایک بصیرت افروز نکتہ:**

حضرت فاضل مصنف نے حکمِ صلوٰۃ کے سلسلے میں ایک عظیم الشان نکتے کا افادہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم احکامِ خداوندی کا جائزہ لو تو تم پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ جہاں جہاں بھی کوئی حکم دیا گیا ہے، اس کی تعمیل میں بندوں کی طرف سے کسی فعل کا صدور ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر نماز کے حکم کی تعمیل میں قیام، رکوع اور سجدے کیے جاتے ہیں اور روزہ کے حکم کے امتثال میں بھوکے اور پیاسے رہتے ہیں۔ بخلاف درود شریف کے کہ حکمِ صلوٰۃ کی تعمیل میں کوئی کام نہیں کیا جاتا، بلکہ اسی لفظ کو خدا کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے ﴿اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیْهِ﴾ اے اللہ! تو ان پر صلوٰۃ بھیج۔

یہ بلاشبہ ایسا ہی ہے جیسے بنی اسرائیل نے قتال کے حکم کے جواب میں خداوندِ قدوس اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کرکے ﴿ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ﴾ کہا تھا۔ تم دونوں خود لڑو، ہم تو یہاں بیٹھ کر تماشا دیکھیں گے۔ لیکن یہاں بنی اسرائیل کی طرح باغیانہ

سرکشی یا حکم کی تعمیل سے انکار نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے ﴿ صَلٰوةٌ عَلَی النَّبِیِّ ﴾ کا مطلب جب رفعِ درجات اور اعتنائے شانِ مصطفیٰ ﷺ ہے تو بندوں میں اس کا یارا کہاں؟ اب حکم سے عہدہ برآ ہونے کی صورت سوا اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے بندے خود ربّ العزت سے درخواست کریں ﴿ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ﴾ اے اللہ! تو ہی اپنے پیارے نبی ﷺ کی شان بلند فرما، ان کی عزت و تکریم میں بے پایاں ترقی عطا کر کہ تو ہی اس کی قدرت بھی رکھتا ہے اور اپنے نبی کے رتبے سے بھی واقف ہے۔

● ﴿امام ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی نکتہ سے استفادہ﴾

حضرت فاضل مصنف نے تفسیر تاویلات القرآن کے حوالہ سے امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک علمی نکتہ سپردِ قلم فرمایا ہے۔

امام موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے نزدیک ہر چیز کی ایک حقیقت ثابت و موجود ہے لیکن اُن میں سے بعض چیزوں کا وجود محسوس ہوتا ہے اور بعض چیزوں کا وجود عام انسانوں کی قوتِ ادراک سے ماوراء ہے۔ ہر شے کی حقیقت اپنا ایک مخصوص تشخص رکھتی ہے اور اسی بنیاد پر وہ دوسری شے کی حقیقت سے ممتاز ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر احادیث کی صراحت کے مطابق موت کی صورت دُنبے کی ہے جو قیامت کے دن ذبح کی جائے گی اور نیل و فرات نام کی دو نہریں جو زمین میں بہتی ہیں ان کا منبع حضور انور ﷺ نے سدرۃ المنتہیٰ کے قریب بچشم خود ملاحظہ فرمایا۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ کلمۂ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ قیامت کے دن میزان کو بھر دے گا

اور کلمہ ﴿سُبْحَانَ اللّٰہِ﴾ اور کلمہ ﴿اَللّٰہُ اَکْبَرُ﴾ زمین وآسمان کی وسعتوں پر چھائے ہوئے ہیں اور نماز ایک نور ہے۔

اسی طرح حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں۔ حضرت جبریل امین چتکبرے رنگ کے گھوڑے پر لاد کر میرے پاس آئے۔ یہ ساری چیزیں وہ ہیں جن کا وجود حق تعالیٰ کے نزدیک ثابت وموجود ہے لیکن ان کا مشاہدہ عام انسانوں کی قوتِ ادراک سے بالاتر ہے۔

اتنی تفصیل کے بعد مصنفِ کتاب ؒ نے اپنے ایمانی احساسات کی جوت جگاتے ہوئے اپنے علمی کمالات کے وہ جواہرات بکھیرے ہیں کہ آنکھیں خیرہ ہوکر رہ جاتی ہیں۔

ارشاد فرماتے ہیں: ”اسی طرح درود شریف کا حال بھی سمجھنا چاہیے کہ وہ ایک ممتاز شے ہے، وجود اس کا اس عالم کی جنس سے نہیں ہے اور نہ ادراک اس کا حواسِ جسمانیہ سے ہوسکتا ہے۔ بلکہ وہ خاص آنحضرت ﷺ کی روحانیتِ مقدسہ سے تعلق رکھتا ہے اور تعجب نہیں کہ آنحضرت ﷺ اسے دیکھ بھی لیتے ہوں کیونکہ ملکوت و لاہوت اور دوسرے عالم کی اشیاء جن تک ہماری قوت وادراک کی رسائی دشوار ہے، آنحضرت ﷺ کو محسوس ومشاہد تھیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے کہ قیامت کے دن کی اشیاء کو حضور ﷺ یہاں سے ملاحظہ فرماتے تھے۔“

﴿انوارِ احمدی، ص:92﴾

اپنے اس دعوے پر کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن تک ہماری قوتِ ادراک کی رسائی نہیں ہوسکتی لیکن حضور نبی کریم ﷺ اپنی غیبی قوتِ ادراک سے ان کا مشاہدہ

فرماتے ہیں۔ حضرت فاضل مصنف نے دلائل کے انبار لگادیے ہیں۔ اب ذیل میں اُن دلائل کے مطالعہ سے اپنے ایمان کی آنکھیں ٹھنڈی کیجیے۔

● **حضور اکرم ﷺ کی غیبی قوتِ ادراک کی پہلی دلیل:**

حضرت جابر ؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا میں خانہ کعبہ کے قریب تھا کہ بیت المقدس میرے سامنے پیش کیا گیا۔ اب اس کے بعد حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ﴿فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلَيْهِ وَ اِلٰى مَا فِيْهِ وَلَقَدْ رَأَيْتُ جَهَنَّمَ وَاَهْلَهَا فِيْهَا وَاَهْلَ الْجَنَّةِ فِى الْجَنَّةِ قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلُوْهَا كَمَا اَنْظُرُ اِلَيْكُمْ﴾ (رواه الديلمى فى مسند الفردوس) میں اسے اور اس کے اندر کی چیزوں کو دیکھنے لگا۔ میں نے جہنم اور اہلِ جہنم کو بھی دیکھا۔ اسی طرح میں نے جنت اور اہلِ جنت کو بھی دیکھا قبل اس کے کہ وہ جنت میں داخل ہوں۔ ان ساری چیزوں کو میں نے بالکل اسی طرح دیکھا جیسے تمہیں دیکھ رہا ہوں۔

مکہ مکرمہ میں بیٹھ کر بیت المقدس کا مشاہدہ کرنا اور اس دنیا میں رہ کر جنت ودوزخ کے مناظر دیکھنا، عام انسانوں کی قوتِ ادراک سے ماوراء ہے۔ یہ شان صرف پیغمبر کی ہے۔

● **حضور اکرم ﷺ کی غیبی قوتِ ادراک کی دوسری دلیل:**

حضرت عقبہ ابنِ عامر ؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے آٹھ سال کے بعد شہدائے اُحد پر نماز پڑھی۔ اس وقت آپ پر ایسی کیفیت طاری تھی کہ جیسے کوئی کسی کو رخصت کررہا ہو۔ نماز سے فارغ ہوکر آپ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا میں تمہارا امیرِ منزل ہوں، میں تمہارے ایمان واعمال کا مشاہد ہوں اور تمہاری ملاقات کی

جگہ حوضِ کوثر ہے۔ ﴿وَاِنِّیْ لَاَنْظُرُ اِلَیْهِ وَاَنَا فِیْ مَقَامِیْ هٰذَا وَقَدْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ﴾ (رواہ الشیخان فی الصحیحین) میں یہیں سے کھڑے کھڑے اسے دیکھ رہا ہوں۔ زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے دی گئیں۔

غور فرمائیے! ان میں سے کون سی چیز ایسی ہے جن کا ہم اپنے حواس کے ذریعہ ادراک کر سکتے ہیں لیکن پیغمبر اعظم ﷺ کی شانِ علمی دیکھیے کہ اُن کی نگاہ پر کوئی حجاب حائل نہیں ہے۔ وہ اسی جہاں آب و گل سے عالمِ غیب کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔

● حضور اکرم ﷺ کی غیبی قوتِ ادراک کی تیسری دلیل:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور سیّد عالم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ﴿اِنِّیْ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ﴾ میں غیب کی وہ ساری چیزیں دیکھتا ہوں جنہیں تم نہیں دیکھ سکتے اور وہ ساری آوازیں سنتا ہوں جنہیں تم نہیں سن سکتے۔ فرشتوں کے بوجھ کی وجہ سے میں آسمان کے چر چر کرنے کی آواز بھی سنتا ہوں' کیوں کہ آسمان میں چار انگل بھی کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سجدہ ریز نہ ہو۔

﴿رواہ الترمذی و ابن الماجۃ﴾

اس حدیث میں بھی نہایت صراحت کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ ہماری قوتِ ادراک اور نبی کی قوتِ ادراک میں کتنا عظیم فرق ہے۔

حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ ایک حدیث:

اسی سلسلہ کے ساتھ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت بھی نظر میں رکھیے تو حضور انور ﷺ

کے احاطہ علمی اور غیبی قوتِ ادراک کا صحیح اندازہ لگ جائے گا۔ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہے کہ برستے ہوئے بارش کے پانی کے ساتھ اتنے کثیر فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں کہ ان کی تعداد جن و انس کے سارے افراد سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ بارش کا ہر قطرہ شمار کر لیتے ہیں اور انہیں اس کی بھی خبر ہوتی ہے کہ کون سا قطرہ کہاں گرے گا اور اس سے جو سبزہ اُگے گا اُسے کون کھائے گا۔

﴿الحبائک فی انباء الملائک﴾

● حضور اکرم ﷺ کی غیبی قوتِ ادراک کی چوتھی دلیل:

ابن اثیر نے اپنی کتاب اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ایک بار حضور انور ﷺ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک انصاری نوجوان سامنے آیا۔ آپ نے اس سے دریافت فرمایا: تم نے کس حال میں صبح کی؟ اس نے عرض کی: اس حال میں کہ میں سچا ایمان رکھتا ہوں۔

فرمایا: بات سمجھ کر کہو کہ ہر قول کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ بتاؤ! تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ عرض کیا: میں نے اپنے آپ کو لذائذِ دنیاوی سے علیحدہ کر لیا ہے۔ راتیں بیداری میں گزارتا ہوں اور دن بھوک اور پیاس کی حالت میں۔ اب میری قوتِ مشاہدہ کی کیفیت یہ ہے کہ گویا میں عرشِ ربّ العٰلمین کو دیکھ رہا ہوں۔ گویا یہ دیکھ رہا ہوں کہ اہلِ جنّت آپس میں ملاقاتیں کر رہے ہیں اور اہلِ نار دوزخ میں چیخ رہے ہیں۔

فرمایا: اسی حالت پر قائم رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل کو ایمان کے نور سے منور کر دیا ہے۔ اپنی طرف اس نے عنایت کریمانہ کو متوجہ دیکھا تو فوراً درخواست پیش

کی کہ میرے لیے شہادت کی دعا فرمائیے۔ آپ نے اس کی درخواست قبول کی اور اس کے حق میں شہادت کی دعا فرمائی۔

ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ایک معرکہ پیش آیا جیسے ہی جہاد کے لیے منادی ہوئی سب سے پہلے وہ نوجوان اپنے گھر سے نکلا۔ میدانِ کارزار میں پہنچا تو شہادت کے جذبۂ شوق میں سب سے پہلے مجاہدین کی صف سے نکل کر وہی دشمن کے مقابلے پر آیا۔ کچھ دیر تک اپنی شجاعت کے جوہر دکھانے کے بعد گھائل ہو کر زمین پر گرا اور شہادت کی نعمت سے سرفراز ہوا۔

جب اس کی شہادت کی خبر ماں تک پہنچی تو وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: یارسول اللہ! اگر میرا بیٹا جنّت میں ہے تو نہ میں آنسو بہاؤں گی اور نہ اس کی جدائی کا مجھے کوئی غم ہوگا۔ اگر دوزخ میں ہے تو عمر بھر روتی رہوں گی؟ جواب عنایت فرمایا: اے اُم حارثہ! جنت ایک نہیں بلکہ بہت سی ہیں اور تیرا بیٹا فردوسِ اعلیٰ میں ہے۔ یہ سنتے ہی ان کا چہرہ خوشی سے کھل گیا اور: واہ حارثہ! واہ حارثہ! کہتی ہوئی وہ واپس لوٹ گئیں۔

اس حدیث سے جہاں حضور ﷺ کی غیبی قوتِ مشاہدہ پر روشنی پڑتی ہے کہ مدینے میں بیٹھے بیٹھے آپ نے حارثہ کو فردوسِ اعلیٰ میں دیکھ لیا وہیں یہ حقیقت بھی اجاگر ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام بھی حضور ﷺ کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ جنت و دوزخ سب حضور ﷺ پر روشن ہے۔ مدینے میں بیٹھے بیٹھے آپ بتا سکتے ہیں کہ کون جنت میں ہے اور کون جہنم میں کیونکہ حضور ﷺ کی غیبی قوتِ ادراک کے بارے میں اگر ان کا مثبت عقیدہ نہ ہوتا تو وہ حضور ﷺ سے اس طرح کا سوال ہی نہ

کرتے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بی بی صاحبہ کا سوال سن کر حضور ﷺ نے بھی اس پر ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا؛ جس کا کھلا مطلب یہ ہے کہ ان کا سوال اپنے محل میں صحیح تھا۔

اس حدیث سے یہ حقیقت بھی اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضور ﷺ کے فیضانِ صحبت اور اعجازِ نگاہ سے صحابہ کرام کی قوتِ ادراک بھی عالمِ غیب کے مشاہدہ کی استعداد سے آراستہ ہو گئی تھی۔

● **حضور اکرم ﷺ کی غیبی قوتِ ادراک کی پانچویں دلیل:**

بخاری شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ ایک بار حضور ﷺ نے بغیر افطار کے پے در پے روزے رکھنا شروع کیے۔ جب صحابہ کرام کو معلوم ہوا تو وہ بھی آپ کی پیروی میں اسی طرح کا روزہ رکھنے لگے۔

جب ان کے ضعف و نقاہت سے حضور ﷺ کو ان کے روزے کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا ﴿لَا تُوَاصِلُوا﴾ اس طرح کا روزہ مت رکھو۔ اس کے بعد آپ نے ان کے اس جذبۂ شوق پر تسکین کا مرہم رکھتے ہوئے فرمایا ﴿لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ اِنِّیْ اَبِیْتُ وَيُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَيَسْقِيْنِیْ﴾ میں تمہاری طرح نہیں ہوں؛ میں اس حال میں رات بسر کرتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

اس کے بعد فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ”اس کھانے پینے کی حقیقت دوسروں کو کیا معلوم ہو سکے۔ اگر وہ ہمارے کھانے پینے کی جنس سے ہوتا تو صومِ وصال ہی کیوں کہا جاتا اور ﴿لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ﴾ کیوں فرماتے۔ تعجب نہیں کہ ﴿وَقُرَّةُ عَيْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ﴾ سے اسی طرف اشارہ ہو۔“

﴿انوارِ احمدی ٗص:92﴾

● ﴿آیت کریمہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ کے نکات﴾

حضرت فاضل مصنف نے آیت کریمہ ﴿اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ﴾ سے متعلق ایسے ایسے نادر وگرانمایہ نکات سپردِ قلم فرمائے ہیں کہ صفحہ قرطاس پیراہنِ گل کی طرح مہکنے لگا ہے۔ پڑھیے اور سر دُھنیے! ارشاد فرماتے ہیں:

❶ آیت کے حوالے سے پہلا نکتہ:

﴿اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ﴾ بے شک اللہ اور اُس کے تمام فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے درود بھیجنے والے فرشتوں کا ذکر کیا ہے تو اُنہیں اپنی طرف منسوب کر کے اپنا فرشتہ کہا ہے' حالانکہ دیکھا جائے تو سارے فرشتے اللہ ہی کے ہیں۔ جہاں حضرت آدم علیہ السلام کے سجدے کا ذکر کیا ہے وہاں صرف ﴿فَسَجَدَ الْمَلٰئِکَۃُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ﴾ فرمایا ہے۔ یعنی سارے فرشتوں نے انہیں سجدہ کیا' وہاں فرشتوں کی اضافت اپنی طرف نہیں فرمائی ہے۔

﴿حضور اکرم ﷺ کی عظمت کے منکروں کا تعاقب﴾

اس اندازِ بیان سے دربارِ خداوندی میں حبیبِ پاک ﷺ کے اس مقامِ تقرب کا پتہ چلتا ہے کہ وہ اتنے اپنے ہیں کہ جو فرشتے ان پر درود بھیجتے ہیں وہ بھی اپنے ہو گئے۔ یہ شان صرف محبوب ہی کی ہو سکتی ہے کہ جسے ان کی طرف کسی طرح کی نسبت حاصل ہو جائے' وہ بھی محبوب ہو جائے۔

اس نکتے کے بعد حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ غفلت شکن تازیانہ ملاحظہ فرمائیں:

"اب ہم ان حضرات سے پوچھتے ہیں جن کے مشرب میں نبی ﷺ کی قدر چنداں ضروری نہیں ہے کہ کیا آپ حضرات نے خدا کی بھی کچھ قدر کی یا وہ بھی صرف زبانی دعویٰ ہے؟ کیونکہ اس آیت شریفہ سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کی قدر کتنی ہے کہ ان پر ہمیشہ کے لیے اپنا صلوٰۃ بھیجنا ظاہر فرماتا ہے۔

پھر اگر ان کے دلوں میں حق تعالیٰ کی عظمت ہوتی تو آنحضرت ﷺ کی عظمت بھی دل میں متمکن ہونی چاہیے تھی لیکن جب ان کے دل نبی ﷺ کی عظمت سے خالی ہیں تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب کی جو قدر دانی اور عزت افزائی فرمائی ہے' اس کی کچھ وقعت ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ یہ بالکل منافی دعوائے عظمتِ کبریائی ہے۔"

﴿انوارِ احمدی ٗص:99﴾

﴿بے ادب کا انجام﴾

اس کے بعد غیرتِ حق میں ڈوبے ہوئے الفاظ کا یہ تیور ملاحظہ فرمائیے: "میری دانست میں کسی مسلمان کا عقیدہ ایسا نہیں ہو گا کیونکہ جملہ اہلِ اسلام جانتے ہیں کہ شیطان اسی بات پر مردود ٹھہرایا گیا کہ اس نے نبی کی تعظیم سے انکار کیا اور اُن کی بے قدری کا مرتکب ہوا۔ اسی طرح جس کے دل میں درود وسلام کی وقعت نہ ہو' اس کے نزدیک حق تعالیٰ کی بھی عظمت نہیں ہے۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ حق تعالیٰ کی تعظیم کا اس کو دعویٰ تھا مگر دل میں اس کا اثر نہ تھا۔ اس کی مثال بعینہٖ ایسی ہوئی جیسے کفارِ مکہ حق تعالیٰ کو خالقِ ارض وسماء کہتے تھے مگر بت پرستی اور اس کے لوازم اُن کے

اِس قول کو باطل کیے دیتے تھے۔"

﴿انوارِ احمدی' ص:101﴾

حضرت مصنف کی تنبیہات کا یہ حصہ بھی دیدۂ انصاف سے پڑھنے کے قابل ہے۔فرماتے ہیں: "بڑے افسوس کی بات ہے کہ خود شاہِ کونین ﷺ جن سے ہر طرح کی اُمیدیں وابستہ ہیں ایک قسم کا ہدیہ ہم سے طلب فرمائیں اور اُس کی کچھ پرواہ نہ کی جائے۔پھر یہ بھی نہیں کہ اعترافِ قصور ہو بلکہ مخالفت میں ایسی دلیلیں قائم کی جاتی ہیں' جس سے یہ بات ثابت ہو کہ حضور اقدس ﷺ کی رغبت کے موافق عمل کیا جائے تو اس میں شرعی قباحت لازم آجائے گی۔نعوذ باللہ من ذالک"

﴿انوارِ احمدی' ص:100﴾

❷ آیت کے حوالے سے دوسرا نکتہ:

آیت کریمہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ یعنی بیشک اللہ اور اُس کے تمام فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔اس آیت کریمہ میں کلام کا آغاز ﴿اِنَّ﴾ سے ہوا ہے۔عربی زبان میں لفظ ﴿اِنَّ﴾ ازالہ شک کے لیے آتا ہے۔اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون لوگ تھے جن کے شک اور تردد کو اِس کلامِ قدیم میں ملحوظ رکھا گیا ہے اور ﴿اِنَّ﴾ کے ذریعے ان کے تردد اور شک کا ازالہ کیا گیا ہے؟

یہ بات سب جانتے ہیں کہ جس زمانے میں اس آیت کریمہ کا نزول ہوا اُس وقت تین ہی گروہ تھے۔پہلا گروہ صحابہ کرام کا تھا' دوسرا گروہ کھلے کفار و مشرکین کا تھا اور تیسرا گروہ منافقین کا تھا جو اندر سے کافر و منکر اور اوپر سے مدعی اسلام تھے۔قرآن

اور صاحبِ قرآن پر صحابہ کا ایمان اتنا پختہ اور مستحکم تھا کہ وہاں شک اور تردد کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔اب رہ گئے کھلے کفار تو وہ سرے سے اس آیت کریمہ میں مخاطب ہی نہیں ہیں۔اس لیے ان کے انکار و شک کے ازالہ کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اب لے دے کے منافقین ہی کا طبقہ ایسا ہے کہ ایک طرف وہ قرآن پر ایمان لانے کے بھی مدعی تھے اور دوسری طرف اپنے دلوں میں کفر و انکار کا عقیدہ بھی چھپا کر رکھتے تھے۔فاضل مصنف چبھتے ہوئے کانٹوں کی طرح ان سے یوں مخاطب ہیں: "اب چاہے اس دور کے منافقین ہوں یا بعد میں آنے والے اس قماش کے لوگ ہوں' اس آیت کریمہ میں اُنہی لوگوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ جب سب کا حاکم و مالک اور اس کے تمام فرشتے دائماً درود میں مشغول ہیں تو سلطنتِ الٰہیہ کی وفادار رعایا کا فرض کیا ہونا چاہیے' اس کے محبوب کی عظمت کس قدر ان کے دلوں میں راسخ ہونی چاہیے اور کس درجہ درود و سلام کا انہیں اہتمام کرنا چاہیے۔پھر ملاء اعلیٰ کی پیروی کا استحقاق تو اپنی جگہ پر ہے لیکن صراحت کے ساتھ دربارِ سلطانی سے حکم بھی صادر ہو گیا تو اب لیت و لعل کی کیا گنجائش رہ گئی۔اتنی تاکید در تاکید کے بعد بھی اگر نبی کی عظمت کے آگے کسی کا دل نہ جھکے تو سمجھ لیجیے اس کے انجام پر بدبختی کی مہر لگ گئی۔"

﴿انوارِ احمدی' ص:110﴾

❸ آیت کے حوالے سے تیسرا نکتہ:

آیت کریمہ میں ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (اے ایمان والو!) کے اوّلاً بالذات مخاطب مؤمنین صحابہ ہیں' وہی لوگ اس خطاب کی لذت سے بھی واقف ہیں

اور درود شریف کی عظمت کو بھی جانتے ہیں۔ ان کے علاوہ قیامت تک پیدا ہونے والے اہلِ اسلام ان کے طفیلی ہیں۔ یہیں سے یہ شناخت بھی قائم ہو گئی کہ جن کے دلوں میں درود وسلام کی عظمت نہیں ہے' وہ اس خطاب کے اہل ہی نہیں ہیں۔

ہم تو بہر حال انہیں اہل نہیں سمجھتے لیکن مقامِ عبرت یہ ہے کہ وہ بھی اپنے آپ کو ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ کا مخاطب نہیں گردانتے کیونکہ اگر وہ لوگ اپنے آپ کو اس کا مخاطب سمجھتے تو درود وسلام کا ہرگز انکار نہیں کرتے' چاہے بیٹھ کر پیش کرنے کا موقع ہو یا کھڑے ہو کر۔ ایسے لوگ اگر اس آیت کریمہ کی تصدیق بھی کریں تو انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا کہ مخالفت وانکار کے ساتھ تصدیق قلبی ہرگز مفید نہیں ہے۔ جب خدا نے درود وسلام کو کسی ہیئتِ خاص کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے تو دوسروں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کے جواز کے لیے بیٹھنے کی قید لگائیں اور کھڑے ہو کر پڑھنے سے انکار کریں؟ جبکہ ہمارا مشرب یہ ہے کہ ہم دونوں ہیئتوں میں سے کسی ہیئت کو نہ فرض کہتے ہیں نہ واجب اور نہ حرام بلکہ جس درجۂ اطلاق میں حکم الٰہی ہے' اسی درجہ میں اسے رکھتے ہیں۔ دراصل بحث کا دروازہ اس وقت کھلتا ہے جب کوئی کھڑے ہو کر درود وسلام پڑھنے کو حرام کہنے لگتا ہے۔

④ آیت کے حوالے سے چوتھا نکتہ:

بخاری شریف میں یہ حدیث منقول ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کے سامنے عرض کیا: ﴿لَاَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ اِلَّا مِنْ نَّفْسِیْ﴾ یارسول اللہ! بلاشبہ آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں

سوائے اپنی جان کے۔

اس پر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ رکھے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر نے عرض کیا: ﴿وَالَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ لَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ﴾ قسم ہے اس ذاتِ کبریا کی جس نے آپ پر کتاب اُتاری' اب آپ میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔

فرمایا: اے عمر! اب تمہارا ایمان مکمل ہو گیا۔ سبحان اللہ! ایک ہی بول میں دل کی گرہ کھل گئی۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ایمان والے حضور انور ﷺ کو اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ پھر جسے یہ سعادت نصیب ہے اُسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ درود وسلام میں کس درجہ اہتمام کرنا چاہیے۔ کیونکہ درود وسلام بھی ایک دعا ہے جس کے ذریعہ نبی اکرم ﷺ کے حق میں خداوند قدوس سے علوئے شان اور رفعت مکان کی دُعا کی جاتی ہے۔ فطرتِ انسانی کا دستور یہ ہے کہ آدمی سب سے پہلے اپنی جان کے لیے دعا کرتا ہے اور جب آنحضرت ﷺ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں تو اقتضائے فطرتِ انسانی درود شریف کو اپنی جان کے لیے کی جانے والی دعا پر بھی مقدم رکھنا چاہیے۔ اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تو وہ اپنے دعوائے محبت میں جھوٹا ہے یا وہ خود اپنی جان کا دشمن ہے۔ دونوں میں سے کوئی بات بھی ہو ہلاکت اس کا مقدر ہے۔

● ﴿درود شریف پیش کرنے کے مواقع﴾

حضرت فاضل مصنف نے صراحت فرمائی ہے کہ جیسے آنحضرت ﷺ نے نماز

کے اوقات معین فرمائے ہیں، ویسے ہی درود شریف کے اوقات بھی معین فرمائے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اوقاتِ نماز کا تعین تواتر سے ثابت ہے اور درود شریف کے اوقات کا تعین اخبارِ آحاد سے ہے۔ گو اِس طرح کی تمام حدیثیں الگ الگ خبر واحد ہیں لیکن مجموعی طور پر ان کا جائزہ لیا جائے تو بتواترِ معنوی یہ بات ضروری ثابت ہو جائے گی کہ درود شریف کی کثرت حضور انور ﷺ کو نہایت پسند ہے۔

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی مؤقر کتاب ''القول البدیع'' میں درود و سلام کی کثرت کو اہلِ سنّت ہونے کی علامت قرار دیا ہے۔

اب ذیل میں وہ احادیث ملاحظہ فرمائیں جن میں درود شریف کے اوقات کا تعین فرمایا گیا ہے:

❶ بوقت وضو درود شریف پیش کرنا:

محدث طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا: ﴿ لَا وَضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ﴾ یعنی اس شخص کا وضو نہ ہوگا جو وضو کرتے وقت نبی کریم ﷺ پر درود نہ بھیجے۔ اس حدیث میں وضو کی نفی سے وضوئے کامل کی نفی مراد ہے۔

❷ بحالتِ نماز درود شریف پیش کرنا:

حضرت امام فاکہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی گرانقدر تصنیف ''الفجر المنیر'' میں حضرت سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضور اکرم نورِ مجسم ﷺ نے فرمایا: ﴿ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّا يُصَلِّيْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ﴾ اس شخص کی نماز نہیں

ہوگی جو حضور ﷺ پر درود نہ بھیجے۔

اس حدیث میں بھی نماز کی نفی سے مراد نمازِ کامل کی نفی مراد ہے۔

❸ اختتامِ اذان پر درود شریف پیش کرنا:

بخاری اور ابن ماجہ کے علاوہ ساری کتبِ صحاح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ حدیث مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ﴿إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا﴾ جب تم اذان سنو تو جواب میں مؤذن کے کلمات کو دہراؤ۔ پھر جب اذان ختم ہو جائے تو مجھ پر درود پڑھو کہ جو ایک بار درود شریف پڑھے گا اس پر اللہ تعالیٰ دس بار اپنی رحمت نازل فرمائے گا۔

❹ محفل میں درود شریف پیش کرنے کی اہمیت:

حضرت علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کسی مجلس میں لوگ بیٹھیں اور اس میں درود شریف نہ پڑھیں تو وہ جنّت میں داخل ہونے کے بعد بھی پچھتائیں گے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں ﴿ كَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً وَّاِنْ دَخَلُوا الْجَنَّةَ﴾ جنت میں داخلے کے بعد پچھتاوا اس لیے ہوگا کہ وہ وہاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ درود شریف پڑھنے پر کیسے کیسے اجر و ثواب کا اہتمام کیا گیا ہے۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث ہے جسے حاکم نے مستدرک میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، جس میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جس مجلس میں

لوگ جمع ہو کر اللہ کا ذکر کریں لیکن اپنے نبی پر درود و سلام نہ بھیجیں تو ایسی مجلس ضرور اُن کے واسطے نقصان کا باعث ہوگی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں ﴿ کَانَ ذَالِکَ الْمَجْلِسُ عَلَیْھِمْ تِرَۃً ﴾ یعنی یہ محفل ان کے لیے پریشانی کا باعث ہوگی۔

دلوں میں کچھ بھی خوفِ آخرت ہو تو ان احادیث کی روشنی میں اُن لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو مجالس ذکر میں درود و سلام کا اتنی شدت کے ساتھ انکار کرتے ہیں کہ جیسے ہی لوگ درود و سلام پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے وہ وحشی جانوروں کی طرح مجالس سے بھاگنے لگتے ہیں۔ حالانکہ ان احادیث کے مضامین سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف میلاد کی محافل ہی میں نہیں بلکہ ہر مجلس میں نبی ؑ پر درود وسلام پڑھنا دارین کی سعادت ہے۔

⑤ بوقتِ ذکرِ مصطفیٰ ﷺ درود شریف نہ پیش کرنے کی مذمت:

امام ترمذی نے اپنی جامع میں اور حاکم نے مستدرک میں حضرت ابوہریرہ ؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا: ﴿ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ ﴾ اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

⑥ کان بجتے وقت درود شریف پیش کرنا:

امام سیوطی ؒ نے جامع صغیر میں، ابنِ عدی نے کامل میں اور طبرانی نے جامع کبیر میں حضرت ابورافع ؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کا کان بجنے لگے تو وہ مجھے یاد کرے اور مجھ پر درود پڑھے۔

اس کے بعد وہ یہ الفاظ کہے: ﴿ ذَکَرَ اللّٰہُ مَنْ ذَکَرَنِیْ بِخَیْرٍ ﴾ اللہ اُسے یاد کرے جس نے خیر کے ساتھ مجھے یاد کیا۔

⑦ درود شریف پیش کرنے سے بھولی ہوئی چیز یاد آ جانا:

المواہب اللدنیہ میں حضرت ابوموسیٰ المدینی ؓ نے حضرت انس ؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ﴿ اِذَا نَسِیْتُمْ شَیْئًا فَصَلُّوْا عَلَیَّ تَذْکُرُوْہُ اِنْشَاءَ اللّٰہُ ﴾ جب تم کسی چیز کو بھول جاؤ تو مجھ پر درود پڑھو اِن شاء اللہ وہ چیز تمہیں درود شریف کی برکت سے یاد آ جائے گی۔

⑧ جمعہ کے روز درود شریف پیش کرنے کی فضیلت:

زادالمعاد میں حضرت اوس ابنِ اوس ؓ سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: دنوں میں سب سے بہتر دن جمعہ کا دن ہے کہ اس دن حضرت آدم ؑ پیدا کیے گئے، اسی دن انہوں نے انتقال کیا، اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن لوگوں پر بیہوشی طاری ہوگی۔ اس لیے جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو ﴿ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ مَعْرُوْضَۃٌ عَلَیَّ ﴾ کیونکہ تمہارا درود اس دن میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

صحابہ نے دریافت کیا: آپ کے پردہ فرمانے کے بعد ہمارا درود آپ کے سامنے کیونکر پیش کیا جائے گا؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے۔ اس لیے ہر نبی اپنی قبر میں زندہ ہے اور اسے روحانی غذا دی جاتی ہے۔

امام سخاوی ؒ نے اپنی کتاب ”القول البدیع“ میں اتنا اضافہ کیا ہے: مجھ پر

کثرت سے درود پڑھا کرو، اس لیے ﴿اَوَّلُ مَنْ تُسْئَلُوْنَ فِی الْقَبْرِ عَنِّیْ﴾ قبر میں سب سے پہلے میرے بارے میں تم سے سوال کیا جائے گا۔

﴿چند مقامات کی مزید نشاندہی امام سخاوی ﵏ کے قلم سے﴾

درود شریف پڑھنے کے ان مواقع کے علاوہ حضرت امام سخاوی ﵏ نے اپنی کتاب ''القول البدیع'' میں اَسّی (80) مواقع اور گنوائے ہیں اور ہر موقع کو احادیث و آثار سے ثابت کیا ہے۔

ان میں سے خاص خاص مقامات کی ذیل میں نشاندہی کی جاتی ہے ❶ تہجد کے لیے اٹھتے وقت ❷ کسی مسجد میں داخل ہونے کے وقت ❸ جب میت کو قبر میں اتارا جائے ❹ جب کعبہ شریف پر نظر پڑے ❺ حجر اَسود کا بوسہ لیتے وقت ❻ عرفات میں دوپہر کے بعد ❼ جب مدینہ کا مقدس شہر نظر آنے لگے ❽ جب حضور ﷺ کے تبرکات کی زیارت کا موقع ہو ❾ جب سونے کا ارادہ کریں ❿ سفر کے لیے گھر سے نکلتے وقت ⓫ سواری پر سوار ہوتے وقت ⓬ جب اپنے گھر میں داخل ہو ⓭ جب غم، سختی یا کسی مصیبت کا سامنا ہو ⓮ دعا کے شروع اور اَخیر میں ⓯ جب پاؤں سُن ہو جائے ⓰ جب کوئی چیز اچھی معلوم ہو ⓱ جب کوئی حاجت پیش آ جائے ⓲ گناہ سے توبہ کرتے وقت ⓳ جب کسی پر تہمت لگا دی اور وہ اس سے پاک ہو ⓴ ختم قرآن کے بعد ㉑ جب قلم سے حضور ﷺ کا نام مبارک لکھیں ㉒ جب دینی کتابوں کے سبق کا آغاز ہو۔

حاصلِ بحث:

ان ساری حدیثوں سے یہ بات تواتر معنوی کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ درود

شریف کی کثرت حضور انور ﷺ کو بہت زیادہ پسند ہے اور حضور اقدس ﷺ اپنی اُمت کو دنیا و آخرت میں درود شریف کی لامحدود برکتوں سے بہرہ مند دیکھنا چاہتے ہیں۔ مالکِ کائنات کی خوشی بھی اسی میں ہے کہ مَلأِ اعلیٰ کی طرح زمین کی سلطنت میں بھی درود و سلام کے ملکوتی نغموں کی دھوم ہر وقت مچتی رہے۔

فاضل مصنف ﵏ کی ایک عبرت آموز نصیحت:

اس بحث کے خاتمے پر حضرت مصنف ﵏ کی ایک عبرت آموز نصیحت انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے: ''صرف ایک یا دو بار درود شریف ادائے فرض کے خیال سے پڑھ لینا اور ایسی تقریریں کرنا کہ مسلمانوں کی رغبت کم ہو جائے مسلک اہلِ سنت و جماعت کے خلاف ہے اور خلاف مرضی آنحضرت ﷺ بلکہ خلاف مرضی حق تعالیٰ بھی ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ ذٰلِکَ''

﴿انوارِ احمدی، ص:139﴾

﴿بارگاہِ رسالت ﷺ میں سلام پیش کرنے کی بحث﴾

اس عنوان کے ذیل میں فاضل مصنف نے عشق و عقیدت اور علم و فضل کے ایسے ایسے گل بوٹے کھلائے ہیں کہ ان کی خوشبو سے کاغذ کا پیراہن تک معطر ہو گیا ہے۔ ان مہکتے ہوئے پھولوں کی روش سے گزرتے ہوئے اہلِ ایمان کے کیف و سرور کا کیا عالم ہو گا؟ اسے ہم اپنے قارئین کرام کے باطنی احوال کے حوالے کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

سب سے پہلے حیرت و مسرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ سلام کے موضوع پر ان علمی نکات کا مطالعہ کیجیے جن سے بدبختیوں کی ساری گرہیں کھل جائیں گی۔

• پہلا نکتہ:

کتاب الشفاء میں قاضی عیاض ؒ کی صراحت کے مطابق ﴿اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ تم سلامت رہو یا ہم تمہارے فرماں بردار اور راضی برضا ہیں۔ اس اجمال کے بعد اب تفصیل کی طرف آیئے۔ جب کوئی شخص کسی کو سلام کرتا ہے تو وہ دوسرے لفظوں میں اپنے مخاطب کو یقین دلاتا ہے کہ میری طرف سے تمہاری سلامتی کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اسی لیے مخاطب پر بھی واجب ہے کہ وہ اُن ہی الفاظ میں جواب دے کر اپنی طرف سے بھی اپنے مخاطب کو سلامتی کا یقین دلائے۔ چنانچہ عرب کے بدویوں تک یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ جب وہ کسی کو سلام کرتے ہیں یا سلام کا جواب دیتے ہیں تو اُسے کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچاتے۔ جب ضرر پہنچانا مقصود ہوتا ہے تو نہ سلام کرتے ہیں اور نہ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سلام دل کے اخلاص و محبت کا ترجمان ہے۔

اس تمہید کی روشنی میں اب بحث کا یہ رُخ جانیے کہ جو اُمتی نبی پاک ﷺ کو سلام کرتا ہے تو وہ دوسرے لفظوں میں یقین دلاتا ہے کہ نبی ﷺ کی عزت و حرمت میری طرف سے بالکل محفوظ ہے۔ میں کوئی ایسا اقدام نہیں کروں گا جس سے آپ کی عظمت کو ٹھیس پہنچے۔ جو سلام سے انکار کرتا ہے یا سلام کرنے میں پس و پیش کرتا ہے وہ دوسرے لفظوں میں اعلان کرتا ہے کہ اپنے نبی ﷺ کی طرف سے اس کے دل کا ارادہ اچھا نہیں ہے۔

آپ اخلاص کے ساتھ آیت کریمہ کے الفاظ پر غور فرمائیں تو یہ نکتہ اور واضح ہو

جائے گا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ. يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ اور اُس کے تمام فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ پس اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور سلام بھیجو جس طرح سلام بھیجنے کا حق ہے۔

غور فرمایئے! اس آیت پاک میں اللہ اور اس کے فرشتوں کی طرف صرف درود کی نسبت ہے لیکن مؤمنین سے درود کا بھی مطالبہ ہے اور سلام کا بھی۔ آپ گہرائی میں اُتریں گے تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہو گی کہ جہاں سے خطرہ ہوتا ہے وہیں تحفظ کا اہتمام کیا جاتا ہے اور جہاں سرے سے کوئی خطرہ نہیں ہے وہاں کسی طرح کی پیش بندی کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔

ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کی عزت و حرمت کو نہ اللہ کی طرف سے کوئی خطرہ ہے اور نہ فرشتوں کی طرف سے، خطرہ جو کچھ بھی ہے وہ انسانوں کی طرف سے ہے۔ اس لیے درود کے ساتھ ساتھ ان سے سلام کا مطالبہ بھی ہوا۔ مطلب یہ ہوا کہ نبی ﷺ کو سلام کر کے تم اس بات کا اعلان کرو کہ تمہاری طرف سے نبی ﷺ کی عزت و حرمت کو کوئی ٹھیس نہیں پہنچے گی۔

اب کوئی اُمتی نبی ﷺ کا دل سے جاں نثار ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ نبی کو سلام کرنے سے گریز نہیں کرے گا بلکہ سلام کرنے کے لیے اگر جنگ کی نوبت آ گئی تو اِس مرحلہ سے بھی وہ گزر جائے گا لیکن نبی کی طرف جن کے دل کے ارادے اچھے نہیں ہیں وہ یا تو سلام کرنے سے صاف انکار کر دیں گے یا حالات کا دباؤ پڑا تو گریز کا

راستہ اختیار کریں گے۔

سلام تو ﴿اَلتَّحِیَّاتُ﴾ میں بھی پڑھا جاتا ہے لیکن بالکل آہستہ پڑھا جاتا ہے۔ اس لیے وہاں دل کی بیماریوں کی شناخت بہت مشکل ہے کہ اس نے سلام پڑھا یا نہیں؟ لیکن بآوازِ بلند سلام پڑھتے وقت دلوں کی چوری مشکل ہی سے چھپے گی۔ کچھ بعید نہیں کہ بآوازِ بلند سلام کی ترویج میں یہی مصلحت ہمارے ائمہ واکابر کے پیشِ نظر ہو۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

● دوسرا نکتہ:

مشکوٰۃ شریف میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث منقول ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم سید عالم ﷺ ایک نخلستان (کھجوروں کے باغ) میں تشریف لے گئے۔ یکایک آپ کی پیشانی سجدہ ریز ہوگئی۔ راوی کہتے ہیں کہ سجدہ اتنا طویل تھا کہ مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں اسی حالت میں حضور اقدس ﷺ انتقال تو نہیں فرما گئے۔ کافی دیر کے بعد جب آپ نے سجدے سے سر اُٹھایا تو میں نے اپنی پریشانی کا ذکر کیا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: حضرت جبریل امین ابھی میرے پاس حاضر ہوئے تھے۔ انہوں نے خداوندِ ذوالجلال کی طرف سے مجھے یہ بشارت دی ہے ﴿مَنْ صَلّٰی عَلَیْکَ صَلَّیْتُ عَلَیْهِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَیْکَ سَلَّمْتُ عَلَیْهِ﴾ ﴿رواہ احمد﴾ جو آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر رحمت نازل کروں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا میں سلام کے ساتھ اس کا جواب دوں گا۔

فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ کس قدر حیرت ومسرت کی

بات ہے کہ سلام کرنے والے خدا کے حبیب کو سلام کرتے ہیں اور سلام کا جواب مرحمت فرماتا ہے مالکِ بے نیاز۔ اس سے محبوب و مُحِب کے درمیان اُس غایتِ قرب کا پتہ چلتا ہے جو بندوں کے فہم وادراک سے ماوراء ہے۔ محبوب و مُحِب کے درمیان ایسا رشتہ وہیں متصور ہے جہاں اپنائیت نقطۂ انتہاء پر پہنچ گئی ہو۔ کسی بندے کی اس سے بڑی خوش بختی اور کیا ہوسکتی ہے کہ خداوندِ ذوالجلال اسے سلام کرے۔ اپنے نبی ﷺ کی جلالتِ شان پر نثار ہوجانے کی بات ہے کہ ان کے صدقہ میں اُمت کو کس کس اعزاز سے پروردگار نے نوازا ہے۔

مصنف کتاب نے اپنے قارئین کو متنبہ کیا ہے کہ ''خدا سلام کا جواب دیتا ہے'' سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ حضور اقدس ﷺ سلام کا جواب نہیں دیتے۔ کیونکہ بہت سی حدیثوں میں اس بات کی صراحت آئی ہے کہ حضور انور ﷺ بھی بہ نفسِ نفیس سلام کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔ اب نبی ﷺ کو سلام کرنے والے کی سعادت و فیروز بختی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس پر نبی پاک ﷺ بھی سلام بھیجتے ہیں اور خداوندِ ذوالجلال بھی سلام بھیجتا ہے۔ ان حدیثوں سے وہ لوگ عبرت حاصل کریں جو ﴿یَا نَبِیُّ سَلَامٌ عَلَیْکَ﴾ سے انکار کرکے اپنے آپ کو خدا کے سلام سے بھی محروم رکھتے ہیں اور نبی کے سلام سے بھی۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ.

● تیسرا نکتہ:

امام احمد، طبرانی، بیہقی، اور بغوی نے یعلیٰ ابن مرہ ثقفی سے روایت کی ہے کہ ایک بار ہم نبی پاک ﷺ کی معیت میں سفر کر رہے تھے کہ ایک جگہ حضور اقدس ﷺ نے قیام فرمایا۔ آپ خوابِ استراحت میں تھے کہ ہم لوگوں نے دیکھا کہ ایک درخت

زمین کو چیرتا پھاڑتا، جھومتا جھامتا آیا اور آپ ﷺ کو اپنے سایہ میں ڈھانپ لیا، پھر تھوڑی دیر کے بعد اپنی جگہ پر واپس لوٹ گیا۔

جب حضور اقدس ﷺ بیدار ہوئے تو ہم لوگوں نے آپ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا﴿ هِيَ شَجَرَةٌ اِسْتَاذَنَتْ رَبَّهَا فِيْ اَنْ تُسَلِّمَ عَلَيَّ فَاُذِنَ لَهَا﴾ یہ وہ درخت ہے جس نے اپنے رب سے مجھے سلام کرنے کی اجازت طلب کی اور اسے اجازت مل گئی۔

مقامِ غور ہے کہ درخت جو نہ ذَوِی العقول ہے اور نہ احکامِ شرع کا مکلّف ہے، وہ نبی پاک ﷺ کے حضور میں سلام پیش کرنے کی اجازت خدا سے طلب کرتا ہے اور وہ بھی ان کے قریب جا کر۔ غالباً یہ اجازت ہی کا ثمرہ ہے کہ اسے زمین شق کرتے ہوئے حاضر بارگاہ ہونے کی قدرت بھی عطا کی جاتی ہے۔ کیونکہ اس واقعہ میں درخت کا چل کر آنا پیغمبر کے حکم کی تعمیل میں نہیں تھا کہ اُسے نبی ﷺ کا معجزہ قرار دیا جائے بلکہ خود اس درخت کی آرزوئے شوق کی تکمیل کے لیے اسے خدا کی طرف سے یہ قدرت عطا ہوتی ہے۔

اس واقعہ سے اُن سیاہ بختوں کو نصیحتِ خاص حاصل کرنی چاہیے جو حضور پاک ﷺ کو سلام کرنے میں آنا کانی کرتے ہیں اور سلام سے روکنے کے لیے طرح طرح کا بکھیڑا کھڑا کرتے ہیں کہ ایک بے شعور درخت اس سعادت کے حصول کے لیے کس درجہ حساس ہے کہ وہ نبی کو سلام کرنے کے لیے خدا سے توفیق طلب کرتا ہے۔ یہ علم و شعور والے بندے ہیں جو خدا کے حکمِ صریح کے باوجود سلام سے انکار کرتے ہیں۔

﴿سلام کی اہمیت پر دلائل کے انبار﴾

حضرت مصنف ؒ کی علمی جلالت کو سلام کیجیے کہ انہوں نے سلام کی اہمیت پر دلائل و براہین کی ایسی فصل اُگائی ہے کہ دیدۂ شوق سے ملاحظہ کیجیے اور ان کی بہاروں کا لطف اُٹھائیے۔

● پہلی دلیل:

﴿نماز میں سلام بطور حکایت نہیں بلکہ انشاء ہے، پر دلائل﴾

فاضل مصنف ؒ تحریر فرماتے ہیں: "یہاں یہ امر پیشِ نظر رہے کہ سلام کی کس قدر وقعت ہے کہ عین نماز میں اسے ضروری ٹھہرایا گیا حالانکہ نماز عبادت محضہ ہے۔ ظاہر ہے کہ عبادت میں توجہ صرف معبودِ حقیقی کی طرف ہونی چاہیے۔ اگر کہا جاوے کہ وہ سلام جو ﴿اَلتَّحِيَّات﴾ میں پڑھا جاتا ہے۔ یعنی ﴿ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ اس سے نبی کو خطاب مقصود نہیں بلکہ شب معراج کی حکایت مقصود ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر تو اس صورت میں ﴿اَلتَّحِيَّاتُ﴾ کا کچھ مطلب ہی نہیں ہوا، صرف الفاظ ہی رہ گئے۔ اسی طرح نہ ﴿اَلتَّحِيَّاتُ﴾ سے تمام تحیات اللہ تعالیٰ کے لیے ہونے کا اعتراف ہوا اور نہ ﴿ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ سے عقیدۂ توحید پر شہادت ہوئی۔ حالانکہ جب آنحضرت ﷺ نے ﴿اَلتَّحِيَّات﴾ کی تعلیم فرمائی تو یہ نہ کہا کہ شب معراج میں اس طرح کا مخاطبہ ہوا تھا اور بطور حکایت اس کو پڑھنا چاہیے۔"

﴿انوارِ احمدی، ص:146﴾

اس دعوے پر ﴿ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ سے خطاب مقصود ہے، شب

معراج کے واقعہ کی نقل مقصود نہیں ہے۔ حضرت مصنف ؒ کی یہ پہلی دلیل ہوئی۔ آگے چل کر پھر اس دلیل کی مزید وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "ہر چند الفاظ التحیات کے مختلف طور پر وارد ہیں لیکن جن احادیث میں ﴿اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ﴾ آنحضرت ﷺ سے منقول ہے، ان احادیث کو بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ، امام احمد، ابنِ حبان، ابنِ ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ کنزالعمال میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ لیکن ان تمام روایات میں سے کسی روایت میں بھی اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ وہ سلام بطور حکایت پڑھا جاوے۔ پھر جب حکایت ہونا اس کا ثابت نہ ہوا تو اس کے معنی مقصود بالذات ہوئے۔ جس سے ثابت ہوا ﴿اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ﴾ کو بطور حکایت نہیں بلکہ بطور انشاء کہا جائے گا۔ جیسا کہ شیخ عابد سندھی نے اپنی کتاب طوالع الانوار شرح درمختار میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔"

﴿انوارِ احمدی، ص: 147﴾

● دوسری دلیل:

اس دعوے پر کہ التحیات میں ﴿اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ﴾ سے شبِ معراج کے واقعہ کی حکایت مقصود نہیں ہے بلکہ نمازی بالقصد حضور ﷺ کو بحالت نماز اپنی طرف سے خطاب کرتا ہے اور انہیں اپنا سلام پیش کرتا ہے۔ حضرت مصنف کی یہ دوسری دلیل ہے۔

ان کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ شروع شروع میں صحابۂ کرام ﴿اَلسَّلَامُ عَلٰی فُلَانٍ وَّ فُلَانٍ﴾ کہا کرتے تھے۔ حضور اکرم سیّد عالم ﷺ نے انہیں ایسا کرنے

سے منع کیا اور فرمایا تم ﴿اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ﴾ کہا کرو۔ جب تم یہ کہو گے تو تمہارا سلام جملہ انبیاء و مرسلین، سارے ملائکہ اور تمام عباد صالحین کو پہنچ جائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ سلام بطورِ حکایتِ واقعہ نہیں ہے۔

مصنف کتاب ؒ ارشاد فرماتے ہیں ﴿عَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ﴾ میں اگرچہ حضور انور ﷺ بھی شامل ہیں مگر چونکہ یہ سلام حضور کو ضمنی ہوا اور اس طرح کے سلام میں حضور ﷺ کی کوئی خصوصیت نہیں رہی۔ اس لیے حضور ﷺ کے مقام کی عظمت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ نمازی آپ کی طرف متوجہ ہو کر خاص خطاب کے ساتھ آپ کو سلام کرے۔

یہاں یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ جیسے ﴿اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ﴾ میں سلام کا صدور بالقصد ہے، اسی طرح ﴿اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ﴾ میں بھی بالقصد سلام کے ساتھ حضور ﷺ مخاطب ہیں۔ تکمیل تحیۃ کے طور پر آپ ﷺ کے سلام میں ﴿وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ﴾ کا بھی اضافہ ہے۔

● تیسری دلیل:

حضرت فاضل مصنف اپنے اس دعوے پر ﴿اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ﴾ میں نمازی کی طرف سے حضور اکرم ﷺ کو بالقصد خطاب کر کے سلام پیش کرنا مقصود ہے، واقعۂ معراج کی حکایت مقصود نہیں ہے، تیسری دلیل پیش کرتے ہیں۔

ان کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے ﴿اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ﴾ کی روایت بتواترِ لفظی حدیثِ متواتر کے درجہ میں ہے۔ اگر اس سے خطاب اور ندا کے

معنٰی مراد نہ لیے جائیں تو حدیثِ متواتر کے مفہوم میں ایک طرح کا نسخ لازم آجائے گا۔ اصول فقہ کے مطابق ضروری ہے کہ دلیلِ نسخ بھی ویسے ہی قطعی ہو۔ شبِ معراج کا مخاطبہ اگر احادیث صحیحہ سے ثابت بھی ہو جائے جب بھی حدیثِ متواتر کا نسخ اس سے نہیں ہو سکے گا کیونکہ اس مفہوم کی ساری حدیثیں احاد ہیں' ان میں حدیثِ متواتر جیسی قطعیت نہیں ہے۔

اتنی تفصیل کے بعد حضرت فاضلِ مصنف نے ایک علمی نکتہ پیدا کر کے اپنے دعوے کی صحت کو اُس نقطۂ انتہا پر پہنچا دیا ہے کہ اب سوائے تسلیم کے منکرین کے لیے کوئی راہِ فرار باقی نہیں ہے۔ تحریر فرماتے ہیں: ''التحیات میں خطاب و ندا کے جو معنٰی تواتر کے ساتھ ثابت ہیں' ان کے نسخ کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ بطورِ حکایت پڑھنے کا امر بتواتر ثابت کیا جائے۔ ﴿اِذْ لَیْسَ فَلَیْسَ﴾ یعنی جب بطورِ حکایت پڑھنے کا امر بتواتر ثابت نہیں ہے تو ﴿اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ﴾ میں ندا اور خطاب کے معنٰی کا نسخ بھی ثابت نہیں ہوگا۔'' ﴿انوارِ احمدی' ص:148﴾

● چوتھی دلیل:

اسی دعوے پر فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے یہ چوتھی دلیل ہے۔ ان کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ بخاری' نسائی' ابنِ ماجہ کی روایت کے مطابق جب آیت کریمہ ﴿اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ﴾ نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! سلام کا طریقہ تو ہمیں پہلے سے معلوم ہے' صلوٰۃ کا طریقہ ارشاد فرمائیے؟ آپ نے فرمایا ﴿اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ﴾ پڑھا کرو' حکم صلوٰۃ کی

تعمیل ہو جائے گی۔

امام بیہقی کے حوالہ سے فاضل مصنف نے ثابت کیا ہے کہ صحابہ کرام نے اپنے سوال میں جس سلام کے جاننے کا ذکر کیا تھا وہ تشہد والا سلام ہے۔ انہوں نے اسی سلام کو ﴿وَسَلِّمُوْا﴾ کے حکم کی تعمیل کا ذریعہ سمجھا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے نزدیک تشہد والا سلام خطاب و اِنشاء کے طور پر تھا' حکایتِ واقعہ کے طور پر نہیں تھا۔ یہ سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ کسی حکم کی تعمیل کے لیے اِنشاء کی ضرورت ہے' حکایت مفید نہیں۔

● پانچویں دلیل:

اسی دعوے پر فاضل مصنف کی یہ پانچویں دلیل ہے۔ ان کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ بخاری کی روایت کے مطابق صحابہ کرام حضور ﷺ کی حیاتِ ظاہری میں تشہد کے اندر ﴿اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ﴾ خطاب اور ندا کے ساتھ پڑھا کرتے لیکن حضور جانِ نور ﷺ نے پردہ فرمایا تو انہوں نے اُسے بدل دیا ﴿اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ﴾ کہنے لگے۔ جیسا کہ علامہ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بخاری کی شرح فتح الباری میں لکھا ہے: ﴿اِنَّ الصَّحَابَۃَ کَانُوْا یَقُوْلُوْنَ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَیٌّ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ فَلَمَّا مَاتَ قَالُوْا اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ﴾ (واسنادہ صحیح) حضور ﷺ کی حیاتِ ظاہری میں صحابہ کرام التحیات میں ﴿اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ﴾ پڑھا کرتے تھے لیکن جب آپ نے پردہ کر لیا تو انہوں نے اسے بدل دیا ﴿اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ﴾ کہنے لگے۔

اس واقعہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ صحابہ کرام کے نزدیک تشہد بطور

انشاء تھا بطورِ حکایت نہیں تھا۔ کیونکہ اگر بطورِ حکایت ہوتا تو حضور انور ﷺ کے وصال شریف کے بعد خطاب اور ندا والے الفاظ کو بدلنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

اس مقام پر کسی کو بھی یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ تبدیلی کے اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام حضور انور ﷺ کے وصال شریف کے بعد انہیں خطاب اور ندا کے ساتھ سلام کرنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے انہوں نے خطاب اور ندا والا صیغہ بدل دیا۔

حضرت فاضل مصنف نے اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: ''الفاظ بدلنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کے وصال شریف کے بعد پھر خطاب و ندا کے ساتھ سلام کرنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ غایتِ عشق اور کمالِ قرب کی وجہ سے حضور ﷺ کی مفارقت کا صدمہ اُن کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گیا تھا۔

عام صحابہ کے علاوہ خواص بھی بے تابیوں کے اضطراب کی اتنی دردناک کیفیت سے دوچار تھے کہ لوگ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے تھے۔ بعض صحابہ تو اتنے خود رَفتہ ہو گئے تھے کہ اس خبر پر وہ بھی یقین کرنے کے لیے تیار نہیں تھے کہ حضور اقدس ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

یہاں تک کہ کنز العمال کی روایت کے مطابق حضور اقدس ﷺ کے وصال شریف کے بعد جب سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے پہلی اذان دی تو سارے مدینہ میں کہرام برپا ہو گیا اور وہ خود فرطِ غم سے غش کھا کر گر پڑے۔ کیونکہ جب وہ اذان دیتے وقت ﴿اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ﴾ کہتے تھے تو اپنی انگشت شہادت سے آپ کی طرف اشارہ کیا

کرتے تھے۔ چنانچہ اس کے بعد انہوں نے اذان دینے سے انکار کر دیا۔

امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اصرار کیا تو انہوں نے معذرت کر لی کیونکہ ان کے اندر اس صدمہ کی تاب ضبط نہیں تھی کہ وہ آپ کی طرف اشارہ کریں اور آپ پیشِ نظر نہ ہوں۔

مواہب اللدنیہ کی روایت کے مطابق ایک صحابی رسول حضرت عبداللہ ابنِ زید رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں پانی دے رہے تھے۔ جب اُنہیں یہ خبر ملی کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا تو انہوں نے بے ساختہ اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور یہ دُعا مانگی: ﴿اَللّٰھُمَّ اذْھَبْ بَصَرِیْ لَا اَرٰی بَعْدَ حَبِیْبِیْ مُحَمَّدٍ اَحَدًا﴾ یا اللہ! میری آنکھ کی بینائی زائل کر دے کہ میں اپنے حبیب محمد ﷺ کے بعد کسی کا چہرہ نہ دیکھوں۔

راوی حدیث بیان کرتے ہیں کہ جیسے ہی انہوں نے اپنی دعا ختم کی ﴿فَکُفَّ بَصَرُہٗ اَیْ عَمِیَ﴾ فوراً اُن کی بینائی زائل ہو گئی اور وہ مکمل طور پر نابینا ہو گئے۔

احادیث میں آیا ہے کہ آدمی تو آدمی ہیں، حضور انور ﷺ کے فراق کا صدمہ جانوروں پر بھی پڑا۔ چنانچہ حضور پاک ﷺ کی سواری کا جانور جب اس صدمے کی تاب نہ لا سکا تو ایک کنویں میں گر کر اپنی جان دے دی۔ مقامِ غور ہے کہ جب جانوروں کا یہ حال ہو تو ان جانبازانِ خستہ جگر کا کیا حال ہوا ہو گا جنہیں حضور ﷺ سارے عالم بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب تھے؟

اس دردانگیز اور المناک کیفیت کا ردِّعمل تھا کہ صحابہ کرام کے اندر حضور

اقدس ﷺ کو خطاب اور ندا کے ساتھ سلام کرنے کی تاب نہیں تھی کیونکہ خطاب اور ندا حضوری کو چاہتا ہے اور اِس سے جدائی کا غم تازہ ہوتا تھا۔ اس لیے صحابہ کرام کے سلام میں خطاب اور ندا کے الفاظ بدل دیے۔"

اس کے بعد حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "الحاصل کمالِ رنج وغم کے سبب سے اوائل میں بعض صحابہ نے خطاب اور ندا کو ترک کر دیا تھا پھر جب وہ حالت بسببِ امتدادِ زمانہ کے فرو ہوگئی تو بسببِ تعظیمِ آنحضرت ﷺ پھر اسی طور پر بعینہٖ خطاب وندا پڑھنا شروع کیا جیسا کہ یہ عمل آج تک جاری ہے۔"

﴿انوارِ احمدی، ص:153﴾

اس دعوے کے ثبوت میں تین وجہیں:

اپنے اس دعوے کے ثبوت میں حضرت فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے تین وجوہات بیان کی ہیں:

● پہلی وجہ:

"بروایت متعددہ ثابت ہے کہ حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ بن زبیر برسرِ منبر علی رؤس الاشہاد اپنی اپنی خلافتوں میں التحیات کی تعلیم بلفظ ﴿اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ﴾ دیا کرتے تھے۔ یہ کچھ ایسی نہ تھی کہ کسی پر پوشیدہ رہ جاتی۔ پھر اگر کسی کو خطاب اور ندا میں کلام ہوتا تو ضرور کہہ دیتے۔ کیونکہ صحابہ کی شان سے یہ بعید ہے کہ کسی واقعہ کو خلافِ واقعہ سن کر خاموش رہ جائیں۔ خصوصاً ایسا مسئلہ کہ جس میں آخری زمانہ والوں کے خیال کے مطابق شرک کا اندیشہ ہے۔"

﴿انوارِ احمدی، ص:154﴾

● دوسری وجہ:

"خود حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ تابعین کو اِسی التحیات کی تعلیم دیا کرتے تھے جس کی تعلیم اُن کو خود نبی کریم ﷺ نے دی تھی۔ جیسا کہ خود فتح القدیر میں حضرت ابن ہمام نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔"

﴿انوارِ احمدی، ص:157﴾

● تیسری وجہ:

"اگر اس تبدیلی میں لحاظ خطاب اور ندا کا تھا تو یہ بسبب قبل انتقال نبی کریم ﷺ کے بھی موجود تھا۔ اس لیے کہ صحابہ اکثر اپنے اسفار میں نبی کریم ﷺ سے غائب بھی ہوتے تھے۔ پس اس صورت میں لازم آتا ہے کہ حالتِ غیب میں التحیات بصیغہ خطاب و ندا نہ پڑھتے ہوں، حالانکہ یہ بات کسی سے بھی مروی نہیں ہے۔ بلکہ خود حدیث میں یہ تصریح گزری کہ بعد وفات شریف خطاب وندا کا صیغہ بدلا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ تبدیلی کا سبب ندا و خطاب نہ تھا بلکہ وفات شریف کا صدمہ تھا۔ پس ان وجوہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اوّل تو جملہ صحابہ نے صیغہ بدلا ہی نہیں اور بعضوں نے جو بدلا، اس کا سبب یہ نہ تھا کہ بعد وفات شریف کے خطاب وندا جائز نہیں۔ پھر چند روز کے بعد بدلنے والے بھی نبی کریم ﷺ کی تعلیم کے مطابق التحیات بصیغہ خطاب و ندا پڑھتے اور اِس کی تعلیم دیتے تھے۔"

﴿انوارِ احمدی، ص:157﴾

ایک لطیف طنز:

حضرت فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ان لوگوں پر جو ندائے یارسول اللہ! کو ناجائز کہتے ہیں ایک لطیف طنز کیا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ حصہ انہی کے الفاظ میں پڑھیے:

''ندائے غائب کے مسئلہ میں جب ﴿اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ﴾ کے ساتھ استدلال کیا جاتا ہے تو بعض لوگ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہاں ندا مقصود نہیں بلکہ حکایت ہے مخاطبہ شب معراج کی۔ پھر جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا مخاطبہ معراج والی حدیث کو آپ مانتے ہو؟ تو وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ حدیث مان لی جائے تو اس سے آنحضرت ﷺ کا عرش پر جانا ثابت ہوتا ہے حالانکہ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے جانے کی کوئی حدیثِ صحیح یا حسن محدثین کے نزدیک ثابت نہیں ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ اگر نماز کی التحیات کو مخاطبۂ معراج کی حکایت قرار دیں تو چاہیے کہ محکی عنہ کو بھی اپنے قواعد کے مطابق ثابت کریں یا مان لیں اور محکی عنہ کا انکار ہے تو حکایت کا نام نہ لیں۔ اس کا کیا معنٰی کہ حکایت میں تو وہ زور وشور اور محکی عنہ سے بالکل انکار۔ کیا اس کو الف لیلہ کی حکایت سمجھی ہے، جس میں محکی عنہ سے کچھ بحث نہیں؟''

﴿انوارِ احمدی، ص:165﴾

خلاصۂ بحث:

خلاصۂ بحث کے طور پر فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے جو احساسات پیش کیے ہیں وہ پڑھنے کے قابل ہیں۔ سطر سطر سے محبتِ رسول ﷺ کی خوشبو اُڑ رہی ہے اور لفظ لفظ عشق و ایمان کے آبِ حیات میں بھیگا ہوا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں: ''الحاصل ہر

مسلمان کو چاہیے کہ نماز میں آنحضرت ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر سلام عرض کرے اور شک نہ کرے کہ اس میں شرک فی العبادۃ ہوگا کیونکہ جب شارع کی طرف سے اس کا اَمر ہو گیا تو اب جتنے خیالات اس کے خلاف ہیں وہ سب بیہودہ اور فاسد سمجھے جائیں گے۔ اس میں چون و چرا کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کے سجدے میں کیا تھا۔

اب یہ بات محسوس کرنی چاہیے کہ جب اس سلام کا مرتبہ ایسا ہوا کہ عبادتِ محضہ یعنی نماز کا ایک حصہ اس کے لیے خاص کیا گیا تو دوسرے اوقات میں اس کا کس قدر اہتمام کرنا چاہیے اور آداب ملحوظ رکھنا چاہیے۔''

﴿انوارِ احمدی، ص:165﴾

اس کے بعد یہ عبارت بھی جذبۂ عقیدت میں سرشار ہو کر پڑھیے۔ سلام کے آداب سکھاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''الغرض جب کسی خاص وقت میں سلام عرض کرے تو چاہیے کہ کمال ادب کے ساتھ کھڑا ہو اور دست بستہ ہو کر عرض کرے ﴿اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا سَیِّدَنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا سَیِّدَنَا سَیِّدَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ﴾ اسی طرح کے الفاظ کے ساتھ سلام کرے جن سے حضرت کی عظمت معلوم ہو۔''

﴿انوارِ احمدی، ص:166﴾

ایک اعتراض اور اس کا رُوح پرور جواب:

کھڑے ہو کر سلام پیش کرنے کے سلسلے میں منکرین کے اعتراضات ڈھکے چھپے نہیں ہیں کہ انہیں کوئی خاص اہمیت دی جائے۔ ایک بات بار بار دُہرائی جاتی ہے لیکن

فاضل مصنف نے ان اعتراضات کے جو جواب دیئے ہیں ان میں فکر ونظر اور علم وتحقیق کی جوندرت ہے انہیں پڑھیے اور سر دُھنیے۔

فرماتے ہیں: ''اب یہاں شاید کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ قیام عبادت کے مشابہہ ہے اس لیے وہ جائز نہیں تو اِس کا جواب یہ ہے کہ جب عین عبادت میں یہ سلام جائز ہوا تو مشابہہ بالعبادۃ میں کیونکر جائز نہیں ہوگا؟''

﴿انوارِ احمدی، ص:166﴾

● ﴿قیامِ تعظیمی کی بحث﴾

حضرت فاضل مصنف ؒ نے قیامِ تعظیمی کے مسئلہ پر نہایت طویل بحث فرمائی ہے۔ موصوف نے اُن ساری حدیثوں کا بھی جائزہ لیا ہے، جن میں قیام کی ممانعت آئی ہے اور شروح واحادیث کی روشنی میں ان کی صحیح مراد متعین کرتے ہوئے نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ان حدیثوں میں مطلق قیام کی ممانعت نہیں ہے بلکہ اُس قیامِ خاص کی ممانعت ہے جو عجمی بادشاہوں کے دربار میں رائج تھا کہ بادشاہ بیٹھا رہتا اور لوگ اس کے گرد ہاتھ باندھے کھڑے رہتے یا پھر اس قیام کی ممانعت ہے جو کسی کی تعظیم کے لیے اُس کی خواہش پر کیا جائے۔ اس کے بعد حضرت موصوف نے قیامِ تعظیمی کے جواز پر دلائل کے انبار لگا دیے ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

❶ قیامِ تعظیمی کی پہلی دلیل:

بخاری شریف کی مشہور حدیث جو حضرت ابوسعید خدری ؓ سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ کے قبیلہ بنوقریظہ نے جب حضرت سعد ؓ کو اپنا حَکَم

مان لیا تو حضور انور ﷺ نے حضرت سعد کو بلوایا۔ ابھی وہ اپنی سواری ہی پر تھے کہ آپ نے انصار کو حکم دیا ﴿قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ﴾ اپنے سردار کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوجاؤ۔ اس حدیث میں نہایت صراحت سے کھڑے ہونے کا حکم ہے۔

منکرین قیام کی طرف سے اس حدیث کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ چونکہ حضرت سعد زخمی تھے اس لیے حضور اقدس کا منشاء یہ تھا کہ لوگ آگے بڑھ کر اُنہیں سواری سے اتار لیں، اس لیے اس قیام سے قیامِ تعظیمی ثابت نہیں ہوتا۔

حضرت فاضل مصنف نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ چونکہ کھڑے ہونے کا حکم سردار کی نسبت کے ساتھ ہے۔ اس لیے یہ لفظ ظاہر کرتا ہے کہ کھڑے ہونے کا حکم اظہارِ تعظیم کے لیے تھا اور اِسی کا نام قیامِ تعظیمی ہے۔

❷ قیامِ تعظیمی کی دوسری دلیل:

اس حدیث کو امام ابوداؤد ؒ نے روایت کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم ﷺ اپنی مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ان کے رضاعی باپ یعنی حضرت سعدیہ ؓ کے شوہر تشریف لائے تو آپ نے اُنہیں بٹھانے کے لیے اپنی چادر شریف کا ایک کونہ بچھا دیا۔ پھر حضور کی ماں تشریف لائیں تو ان کے لیے دوسرا کونہ بچھایا۔ پھر آخیر میں رضائی بھائی تشریف لائے تو آپ کھڑے ہوگئے اور اُنہیں اپنے سامنے بٹھایا۔ اس حدیث سے دوسرے کے لیے خود آپ کا قیام ثابت ہے۔

اس حدیث کے جواب میں منکرینِ قیام کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ رضاعی بھائی کے لیے حضور اقدس ﷺ کا قیام اکرام کے لیے نہیں تھا بلکہ جگہ بنانے کے لیے

تھا کیونکہ آپ اگر اِکرام کے لیے قیام فرماتے تو ماں باپ اس کے زیادہ مستحق تھے۔

حضرت مصنف نے اس کا جواب دیا ہے کہ اوّل تو اس حدیث میں ان کے لیے قیام کی نفی نہیں ہے اور عدمِ ذکر سے عدمِ قیام کا ثبوت نہیں ہوتا۔ دوسرا یہ کہ بٹھانے کے لیے اپنی چادر بچھا دینا ان کے اکرام کے لیے بہت کافی تھا۔ رضاعی بھائی کے سلسلے میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں ﴿قَامَ فَاَجْلَسَ بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ یعنی حضور ﷺ کھڑے ہوئے اور اُپنے سامنے انہیں بٹھایا۔ اگر جگہ کی قلت کی وجہ سے حضور ﷺ کا قیام ہوتا تو حدیث کے الفاظ یہ ہوتے کہ حضور ﷺ کھڑے ہوئے اور اپنی جگہ پر انہیں بٹھایا۔ دوسرا یہ کہ جگہ بنانے کے لیے کھسک جانا کافی تھا' کھڑے ہونے کی کوئی حاجت نہیں تھی۔

③ قیامِ تعظیمی کی تیسری دلیل:

فتح مکہ کے دن ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ خوف کی وجہ سے یمن کی طرف بھاگ گئے تھے۔ اسی حالت میں اُنہیں خدا نے توفیق دی اور وہ اسلام لے آئے۔ اس کے بعد ان کی اہلیہ انہیں اپنے ہمراہ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ جیسے ہی حضور ﷺ نے انہیں دیکھا جذبۂ مسرت میں کھڑے ہو گئے اور اُن کا استقبال کیا۔

اسی طرح فتح خیبر کے دن حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ حبشہ سے واپس تشریف لائے تو حضور ﷺ نے کھڑے ہو کر اُن کا استقبال کیا اور فرمایا: میں نہیں بتا سکتا کہ جعفر کے آنے سے مجھے زیادہ خوشی ہوئی ہے یا خیبر کی فتح سے۔

اسی طرح کی ایک حدیث اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی منقول

ہے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ حضور ﷺ کے مُنہ بولے بیٹے حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ جب ہجرت کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت آپ میرے حجرے میں تشریف رکھتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ حضور انہیں دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور اُنہیں گلے سے لگا لیا۔

ان تینوں حدیثوں میں دوسروں کے لیے خود حضور ﷺ کا قیام کرنا ثابت ہوا۔ اس بنیاد پر یہ کہنا صحیح ہے کہ نہ صرف یہ کہ دوسرے کے لیے قیام کرنا جائز ہے بلکہ سنت رسول ﷺ بھی ہے۔

④ قیامِ تعظیمی کی چوتھی دلیل:

امامِ ابوداؤد ﷫ نے اپنی سنن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور انور ﷺ جب ہم لوگوں کے ساتھ بات کرتے تھے اور سلسلۂ گفتگو ختم ہو جانے کے بعد جب آپ کھڑے ہوتے تو ہم لوگ بھی کھڑے ہو جاتے اور اُس وقت تک کھڑے رہتے جب تک کہ آپ ﷺ اپنے دولت کدے میں داخل نہ ہو جاتے۔

اس حدیث سے حضور اکرم ﷺ کے لیے صحابہ کرام کا کھڑا ہونا اور کھڑا رہنا ثابت ہو گیا۔

⑤ قیامِ تعظیمی کی پانچویں دلیل:

اس حدیث کو اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ابوداؤد' ترمذی اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا جب

حضور ﷺ کے پاس تشریف لاتی تھیں تو حضور انور ﷺ ان کے لیے قیام فرماتے تھے اور اُن کی پیشانی کو بوسہ دیتے تھے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ﴿قَامَ اِلَیْهَا فَقَبَّلَهَا ثُمَّ اَخَذَ بِیَدِهَا حَتّٰی یُجْلِسَهَا فِیْ مَکَانِهٖ﴾ حضور ﷺ کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے، ان کی پیشانی چومتے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے۔

اس حدیث سے بھی دوسروں کے لیے حضور ﷺ کا قیام ثابت ہو گیا۔

منکرینِ قیام کی طرف سے اس حدیث کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے لیے حضور ﷺ کا قیام اکرام کے طور پر نہیں تھا بلکہ جگہ کی تنگی تھی، اس لیے جگہ بنانے کے لیے تھا۔ فاضل مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جگہ بنانے کے لیے کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں تھی صرف کھسک جانا کافی تھا۔ اگر جگہ اتنی تنگ تھی کہ دو آدمی کے بیٹھنے کی گنجائش نہیں تھی تو اس سے لازم آتا ہے کہ حضور ﷺ انہیں بٹھا کر باہر چلے جاتے ہوں حالانکہ کسی حدیث میں ایسی روایت نہیں ملتی۔

اس مقام پر فاضل مصنف نے امام بیہقی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے ﴿اَلْقِیَامُ عَلٰی وَجْهِ الْاِکْرَامِ جَائِزٌ کَقِیَامِ الْاَنْصَارِ لِسَعْدٍ وَّقِیَامِ طَلْحَةَ لِکَعْبٍ﴾ کسی کے اکرام و تعظیم کے لیے قیام کرنا جائز ہے جیسے انصار کا قیام حضرت سعد ؓ کے لیے اور حضرت طلحہ ؓ کا قیام حضرت کعب ؓ کے لیے۔

6 قیامِ تعظیمی کی چھٹی دلیل:

امامِ ابوداؤد ؒ کی یہ حدیث ہے جسے انہوں نے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت کیا۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت فاطمہ ؓ اُٹھنے بیٹھنے، بات چیت اور اپنی

جملہ عادات واطوار میں حضور ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتی تھیں۔ جب حضور ﷺ ان کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ حضور ﷺ کے لیے تعظیماً کھڑی ہو جاتی تھیں، آپ کے دستِ مبارک کا بوسہ لیتی تھیں اور اُنہیں اپنی جگہ پر بٹھاتی تھیں۔

اس حدیث کی روشنی میں حضور ﷺ کے لیے سیدہ فاطمہ ؓ کا قیامِ تعظیمی ایک آدھ بار کا نہیں تھا بلکہ پوری زندگی ان کا معمول ہی یہ تھا۔ پھر یہ بات بھی گہرائی میں اُتر کر سوچنے کی ہے کہ اگر ان کا یہ قیامِ تعظیمی حضور ﷺ کے نزدیک ناجائز ہوتا تو حضور ﷺ اس فعل سے اُنہیں یقیناً روک دیتے لیکن جب حضور ﷺ نے اپنے قیامِ تعظیمی سے اُنہیں نہ روکا تو چودھویں صدی کے لوگوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ ہمیں آپ کے قیامِ تعظیمی سے روکیں؟

7 قیامِ تعظیمی کی ساتویں دلیل:

یہ حدیث حضرت ابوامامہ ؓ سے امام طبرانی اور خطیب بغدادی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کی ہے جیسا کہ کنز العمال میں اس کی صراحت موجود ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ہر شخص اپنی جگہ سے اپنے بھائی کے لیے اٹھے مگر بنو ہاشم دوسرے کے لیے نہ اٹھیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں ﴿یَقُوْمُ الرَّجُلُ مِنْ مَّجْلِسِهٖ لِاَخِیْهِ اِلَّا بَنُوْ هَاشِمٍ لَا یَقُوْمُوْنَ لِاَحَدٍ﴾ اس حدیث سے دوسرے کے لیے قیامِ تعظیمی کا نہ صرف جواز ثابت ہوا بلکہ استحباب بھی ثابت ہو گیا۔ کیونکہ امر کا ادنیٰ درجہ استحباب ہے۔

علامہ ابنِ حجر ؒ نے فتاویٰ حدیثیہ میں لکھا ہے کہ قیام نہ کرنے کی وجہ سے اگر

فتنہ کا اندیشہ ہو تو قیام کرنا واجب ہے۔ ان کے فتوے کی عبارت یہ ہے: ﴿اِنْ تَرَکَہٗ اَلْاٰنَ صَارَ عَلَمًا عَلَی الْقَطِیْعَةِ وَوُقُوْعِ الْفِتْنَةِ فَیَجِبُ دَفْعًا لِذٰلِکَ﴾ ترکِ قیام کی وجہ سے یقینی طور پر فتنہ برپا ہونے کا امکان ہو تو اس کے دفاع کے لیے قیام کرنا واجب ہے۔

⑧ قیامِ تعظیمی کی آٹھویں دلیل:

اس حدیث کی بخاری، مسلم، امام احمد، نسائی اور ابوداؤد رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿اِذَا رَأَیْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُوْمُوْا لَهَا﴾ جب تم جنازہ دیکھو تو اس کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث بخاری، مسلم، امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی نے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ﴿اِذَا رَأَیْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُوْمُوْا لَهَا حَتّٰی یُخْلِفُکُمْ اَوْ یُوْضَعُ﴾ جب تم کوئی جنازہ دیکھو تو اس کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور اس وقت تک کھڑے رہو جب تک کہ وہ اوجھل نہ ہو جائے یا زمین پر اتار کر رکھ نہ دیا جائے۔

ان دونوں حدیثوں سے بھی جنازے کے لیے قیام کا حکم صراحت کے ساتھ ثابت ہو گیا ہے۔

⑨ قیامِ تعظیمی کی نویں دلیل:

یہ حدیث ہے جسے بخاری، مسلم اور امام احمد ابن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت سہل ابن حنیف اور حضرت سعد ابنِ قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے۔ یہ حضرات بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ قادسیہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کچھ لوگ ایک جنازہ لے کر اُدھر سے گزرے۔ ہم لوگ اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ اس پر کچھ لوگوں نے کہا: یہ جنازہ غیر مسلم کا ہے۔ ہم نے انہیں جواب دیا: ایک بار حضور ﷺ کے سامنے ایک یہودی کا جنازہ گزرا، حضور اکرم ﷺ اُسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ کسی نے عرض کیا: حضور! یہ یہودی کا جنازہ ہے۔ ارشاد فرمایا: کیا وہ جان نہیں ہے؟

اس حدیث کو ابنِ تیمیہ نے بھی اپنی کتاب "منتقی الاخبار" میں نقل کیا ہے۔

⑩ قیامِ تعظیمی کی دسویں دلیل:

طبرانی اور کنز العمال میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے سامنے سے کوئی جنازہ گزرے تو اُس کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور یہ قیام ان فرشتوں کے لیے ہے جو اس جنازہ کے ساتھ چلتے ہیں۔

اس حدیث سے نہایت صراحت کے ساتھ فرشتوں کے لیے قیامِ تعظیمی ثابت ہو گیا۔ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ قیامِ تعظیمی کے لیے دیکھنا ضروری نہیں ہے، بغیر دیکھے بھی کسی کے لیے قیام کیا جا سکتا ہے۔ یہیں سے اس سوال کا جواب بھی ہو گیا جو قیام و سلام کے موقع پر ہم سے کیا جاتا ہے کہ کیا تم لوگ حضور ﷺ کو دیکھتے ہو جو اُن کے لیے قیام کرتے ہو؟

پچھلے صفحات میں جنازے کے لیے قیام کرنے کی جو حدیثیں گزری ہیں، ان کی اس حدیث سے اچھی طرح وضاحت ہو گئی کہ قیام کا حکم ان فرشتوں کی تعظیم کے لیے ہے جو جنازہ کے ساتھ چلتے ہیں۔

چوتھا باب

قرآن اور منصبِ رسالت مآب ﷺ کی تعظیم و توقیر

فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی ایک ایمان افروز عبارت:

قیامِ تعظیمی کے ثبوت میں یہ ساری حدیثیں پیش کرنے کے بعد حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نتیجے کے طور پر تحریر فرماتے ہیں: ''اس تقریر سے کئی قیام شرعاً ثابت ہو گئے۔ اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آنحضرت ﷺ پر سلام عرض کرتے وقت کھڑے رہنے میں تشبہ بالعبادۃ ہے اور وہ جائز نہیں بلکہ جب جنازہ وغیرہ کے واسطے عموماً قیام ضروری ہوا تو نبی پاک ﷺ کے لیے بطریقِ اولیٰ ضرور ہوگا۔''

﴿انوارِ احمدی، ص: 178﴾

فکر انگیز اور بصیرت افروز دلائل کے ساتھ قیامِ تعظیمی کے جواز کی بحث مکمل کر لینے کے بعد فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے رسالت کی تعظیم و ادب کے موضوع پر عشق وعقیدت اور ایمان وعرفان کے جو گل بوٹے کھلائے ہیں، ان کی خوشبو سے اپنی مشامِ جان (دماغ) کو معطر کیجیے۔

تحریر فرماتے ہیں: ''چند آیات واحادیث وآثار یہاں لکھے جاتے ہیں تا کہ معلوم ہو کہ دین میں ادب کی کس قدر ضرورت ہے۔ لیکن پہلے یہ بات معلوم کرنی چاہیے کہ جب تک کسی کی عظمت دل میں نہیں ہوتی اَدب کا فعل صادر نہیں ہوتا۔ اس لیے حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی عظمت کو مختلف پیرائے میں بیان فرمایا ہے۔''

﴿انوارِ احمدی، ص: 178﴾

قرآن حکیم میں جن آیتوں کے ذریعہ اہلِ ایمان کو تعظیمِ نبی کا صریح حکم دیا گیا ہے، اُن میں سے چند یہ ہیں۔

☆☆☆☆☆

① پہلی آیتِ کریمہ:

﴿اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا﴾ بے شک ہم نے آپ کو شاہد' مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا تا کہ (اے لوگو!) تم ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے رسول پر اور اُس رسول کی تعظیم وتوقیر بجالاؤ اور صبح وشام خدا کی تسبیح وتقدیس بیان کرو۔

اس آیتِ کریمہ میں رسول کو بھیجنے کے تین مقاصد بیان کیے گئے ہیں:

① پہلا مقصد یہ ہے کہ لوگ اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائیں۔

② دوسرا مقصد یہ ہے کہ لوگ اُس رسول کی تعظیم وتوقیر بجالائیں۔

③ تیسرا مقصد یہ ہے کہ لوگ صبح وشام اللہ کی تسبیح وتقدیس بیان کریں۔

گہری نظر سے اس آیتِ کریمہ کا مطالعہ کیجیے تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ رسول کی تعظیم وتوقیر کوئی سطحی اور ضمنی چیز نہیں ہے بلکہ جس طرح ایمان باللہ والرسول اور عبادتِ خداوندی' رسول کی بعثت کا بنیادی مقصد ہے' اسی طرح رسول کی تعظیم وتوقیر بھی بعثتِ رسول کا مقصودِ اعلیٰ ہے۔ لیکن کس قدر حسرت وافسوس کی بات ہے کہ لوگ عبادت پر تو بہت زیادہ زور دیتے ہیں لیکن رسول کی تعظیم وتوقیر کی کوئی اہمیت محسوس نہیں کرتے۔ حالانکہ ترتیب کے لحاظ سے دیکھیے تو آیتِ کریمہ میں ایمان کے بعد رسول کی تعظیم وتوقیر ہی کا درجہ ہے۔ عبادت تو یہاں بالکل تیسرے نمبر پر ہے۔ پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ آیتِ کریمہ میں رسول کی تعظیم وتوقیر کے لیے کوئی تفصیل نہیں بتائی گئی کہ تعظیم وتوقیر کا حکم ہم کس طرح بجالائیں۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ

رسول کی عزت وتکریم کے اظہار کے لیے قیامت تک جتنے بھی جائز طریقے ممکن ہو سکتے ہیں وہ سب اس مامور بہ کے عموم میں داخل ہیں۔ اب کسی بھی طریقۂ تعظیم کے لیے دلیلِ خاص کا مطالبہ کرنا قرآن فہمی کے اصولوں سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر کے ذیل میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ نوٹ بھی چشمِ بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔ تحریر فرماتے ہیں: ''آیتِ شریفہ کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تعظیم وتوقیر آپ کی بعثت مبارکہ کا مقصودِ اصلی ہے جسے حق تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ لام کے تحت بیان فرمایا ہے۔'' ﴿انوارِ احمدی' ص:179﴾

② دوسری آیتِ کریمہ:

﴿فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ پس جو لوگ نبی پر ایمان لائے' ان کی تعظیم کی' ان کی مدد کی اور اُس نور کی پیروی کی جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے تو یہی وہ لوگ ہیں جو نجات وفلاح پانے والے ہیں۔

اس آیتِ کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''اس سے صاف ظاہر ہے کہ بغیر آنحضرت ﷺ کی تعظیم کے نجات بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ اہلِ بلاغت جانتے ہیں کہ ترکیب ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ حصر کے لیے ہے یعنی رُستگاری اور نجات خاص اُنہی لوگوں کے لیے ہے جن میں یہ صفات موجود ہیں۔

اسی وجہ سے عظمت اور ہیبت آنحضرت ﷺ کی' صحابہ کے دلوں پر کچھ اس طرح

چھائی ہوئی تھی کہ باوجود اُس خُلقِ عظیم کے جس سے جانی دشمن حلقہ بگوش اور وحشی صفت بیگانے بھی مانوس ہو گئے۔ باوجود کمالِ عشق و محبت کے صحابہ آنکھ بھر کے چہرۂ مبارک کی طرف نہیں دیکھ سکتے تھے اور کسی میں جرأت نہ تھی کہ کوئی بات یا مسئلہ بے تکلف پوچھ لے۔"

﴿انوارِ احمدی' ص:180﴾

قرآن حکیم کی ان دو آیتوں میں نہایت اہتمام وصراحت کے ساتھ تعظیمِ رسول کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ قرآن کی بے شمار آیتیں ہیں' جن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ رب العزت کی جناب میں رسول اکرم ﷺ کا مرتبہ کیا ہے؟ خداوندِ ذوالجلال نے اُن کی رفعتِ شان کا کس درجہ اہتمام فرمایا ہے۔ اس حقیقت کو تو قرآن کا ہر صفحہ بے نقاب کرتا ہے کہ اللہ کی رضا رسول کی مرضی کے ساتھ منسلک ہے اور رحمت وتقرب کا دروازہ اُن لوگوں پر ہمیشہ کے لیے مقفل ہے جو رسول کی طرف سے اپنے دلوں میں کدورت یا ہمسری وسرکشی کا شائبہ بھی رکھتے ہیں۔

اس دعوے پر فاضل مصنف نے قرآن کریم کی متعدد آیتوں سے اتنا شاندار استدلال فرمایا ہے کہ اسے پڑھنے کے بعد ہر صحت مند دل عشق وعقیدت کے سوز وگداز اور کیف وسرور کی لذتوں میں ڈوب جاتا ہے۔

خصوصیت کے ساتھ ہر آیت کے ذیل میں فاصل مصنف نے جو علمی نکتے تحریر فرمائے ہیں' وہ حرزِ جاں بنالینے کے قابل ہیں۔ اب دل کے اخلاص اور دیدۂ شوق کی طہارت کے ساتھ ان آیات کا مطالعہ فرمائیں۔

③ تیسری آیتِ کریمہ:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ اے ایمان والو! تم نبی کریم ﷺ کی آواز پر اپنی آوازیں بلند نہ کرو۔ ان سے اونچی آواز میں اس طرح بات نہ کرو جس طرح تم ایک دوسرے سے اونچی آواز میں بات کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے سارے اعمال حبط (ضائع) ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

تشریح: یہ آیتِ کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب چند صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور ﷺ کے سامنے چلاّ چلاّ کر بات کر رہے تھے۔ جب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کھالی کہ اب میں حضور ﷺ سے اس طرح بات کروں گا جس طرح کوئی شخص راز کی بات کرتا ہے۔

اسی آیتِ کریمہ کے زیرِ اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضور ﷺ سے اتنی دھیمی آواز میں بات کرتے تھے کہ حضور ﷺ کو دوبارہ پوچھنے کی ضرورت پڑتی تھی۔

حضرت ثابت ابن قیس ابنِ شماس رضی اللہ عنہ پر تو اس آیتِ کریمہ کا اتنا گہرا اثر پڑا کہ وہ شدتِ اضطراب سے اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گئے۔ وہ اپنے پاس آنے جانے والوں سے کہتے تھے کہ چونکہ خِلقی طور پر میری آواز بلند ہے' اس لیے میری ہی آواز حضور ﷺ کی آواز پر بلند ہوئی ہے۔ اب میرے سارے اعمال (حبط) ضائع ہو گئے اور میں جہنم کا مستحق ہو گیا۔

اس غم میں کئی دن تک وہ اپنے گھر سے باہر نہیں نکلے یہاں تک کہ ایک دن خود حضور

جانِ نور ﷺ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ وہ کہاں ہیں؟ تفتیشِ حال کے لیے جب صحابہ کرام اُن کے گھر گئے تو انہوں نے بتایا: میری ہی آواز حضور ﷺ کی آواز پر بلند ہوتی تھی اس لیے میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اب میرے سارے اعمال حبط ہو گئے ہیں اور اَب میرا ٹھکانہ جہنم کے سِوا اور کہاں ہے؟

حضور ﷺ کے سامنے جب لوگوں نے یہ سارا قصہ بیان کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: وہ جنتی ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ کی بشارت کے مطابق جنگِ یمامہ میں انہوں نے منصبِ شہادت پر سرفراز ہو کر ظاہری طور پر بھی جنت کا استحقاق حاصل کر لیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے آدمی بھیج کر انہیں اپنے پاس بلایا اور فرمایا: کیا تم اس بات پر رَاضی نہیں ہو کہ تم دنیا میں خیر و فلاح کی زندگی گزارو، خدا کی راہ میں شہید کیے جاؤ اور جنت کا دائمی عیش تمہیں گلے لگائے؟ انہوں نے جواب دیا: یارسول اللہ! دل کی پوری بشاشت کے ساتھ میں اِس پر راضی ہوں۔

اب اس آیتِ کریمہ کے ذیل میں مصنف کے تاثرات ملاحظہ فرمایئے: ''اب ہر عاقل کو چاہیے کہ اس پر قیاس کرے کہ جب ادنیٰ بے ادبی کا یہ عبرتناک انجام ہے تو صریح گستاخیوں کا کیا انجام ہو گا؟ یہاں ایک بات اور سمجھ لینی چاہیے کہ اتنی سی بے ادبی کی جو اِتنی سخت سزا مقرر کی گئی ہے تو اس کے لیے آنحضرت ﷺ کی طرف سے کوئی درخواست نہ تھی بلکہ اس کا منشاء صرف غیرتِ الٰہی تھا کہ اپنے حبیبِ کریم ﷺ کی کسی طرح کسرِ شان نہ ہو۔'' ﴿انوارِ احمدی، ص:205﴾

فاضل مصنف کے تبصرے کا یہ آخری حصہ بھی چشمِ بصیرت سے پڑھنے کے قابل

ہے: ''اسی وجہ سے صحابہ ہمیشہ خائف و ترساں رہتے تھے کہ کہیں ایسی کوئی حرکت صادر نہ ہو جس سے غیرتِ الٰہی جوش میں آ جائے۔ پھر جب آنحضرت ﷺ اس عالم سے تشریف لے گئے تو کیا حضرت کی محبوبیت یا غیرتِ کبریائی میں کوئی فرق آ گیا؟ ﴿نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِکَ﴾ کوئی مسلمان بھی اس کا قائل نہ ہو گا کیونکہ صفاتِ الٰہیہ میں کسی قسم کا تغیر ممکن نہیں ہے۔ پس ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس آیتِ کریمہ کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ ظاہر و باطن میں ایسا مؤدب رہے جیسے صحابہ رہتے تھے۔ یہ نہ سمجھے کہ صرف حضرت کے رُوبرو اَدب کی ضرورت تھی، اب نہیں ہے۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب کریم ﷺ کا ہمیشہ حامی ہے۔''

﴿انوارِ احمدی، ص:206﴾

④ چوتھی آیتِ کریمہ:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ بے شک جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں دھیمی آواز سے بات کرتے ہیں اُنہی لوگوں کے دلوں کو خدائے کردگار نے تقویٰ کے لیے منتخب کر لیا ہے، اُنہی لوگوں کے لیے مغفرت و بخشش اور اجرِ عظیم ہے۔

تشریح: اس آیتِ کریمہ میں دل کا تقویٰ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اسی کے متوازی دل کا مرض ہے جس کا تذکرہ قرآن نے منافقین کے بارے میں ان لفظوں میں کیا ہے: ﴿وَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ اور ان کے

دلوں میں مرض ہے پھر اللہ تعالیٰ ان کے مرض بڑھاتا رہتا ہے۔

یہ بات اگر سمجھ لی جائے کہ دل کا مرض کیا ہے اور وہ بڑھتا کس طرح ہے تو دل کا تقویٰ بھی سمجھ میں آ جائے گا۔

منافقین کی اس ناپاک سرشت سے ساری دنیا واقف ہے کہ وہ ایک طرف اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے تھے نماز میں بھی شریک ہوتے تھے اور دُوسری طرف رسول کے خلاف دل میں کینہ بھی رکھتے تھے۔ دشمنوں سے مل کر ان کے خلاف طرح طرح کی سازش بھی رچاتے تھے۔ اسی باطنی خبث کا اثر تھا کہ حضور ﷺ کو جب کوئی تکلیف پہنچتی تو وہ خوشی مناتے اور جب حضور ﷺ کی جلالتِ شان اور فتح و کامرانی کی کوئی بات ظاہر ہوتی تو وہ جلن کی آگ میں سلگنے لگتے۔

رسول کی عظمتوں سے جلنا اور اُن کی رفعتِ شان کے اظہار پر سلگنا' یہی ان کے دل کا مرض تھا۔ جب ان کے دل کی خواہش کے خلاف خدا کی طرف سے کوئی ایسا واقعہ رونما ہو جاتا یا کوئی ایسی آیت اترتی جس سے حضور ﷺ کی شان و شوکت میں چار چاند لگ جاتے تو ان کے چہروں پر ذلت و نامرادی کی پھٹکار برستی اور اَندر ہی اندر وہ سلگنے لگتے۔ اسی کیفیت کو قرآن نے مرض کے بڑھنے سے تعبیر کیا ہے۔

اب اس کے برعکس حضور ﷺ کی عظمتِ شان کے اظہار پر ایک سچے مسلمان کو جو خوشی حاصل ہوتی ہے اس کا نام "دل کا تقویٰ" ہے۔ دل کا تقویٰ اگرچہ ماتھے کی آنکھ سے نظر آنے کی چیز نہیں ہے لیکن حرکات و سکنات' نقوش و الفاظ اور گفتار و کردار سے محسوس کرنے کی چیز ضروری ہے۔ قرآن کی اصطلاح میں ایک صحت مند دل اور

ایک بیمار دل کے درمیان جوہری فرق یہی ہے کہ ایک صحت مند دل حضور ﷺ کی تعریف سُن کر فرطِ مسرت میں اُچھلنے لگتا ہے اور اپنی پاکیزہ تمناؤں کے ساتھ وہ ہر وقت اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ اس طرح کے مواقع اسے بار بار میسر آئیں جبکہ بیمار دل' حضور ﷺ کی تعریف سُن کر اور بیمار پڑ جاتا ہے اور ہر وقت اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ اس طرح کے مواقع کبھی وجود میں نہ آئیں۔

چشمِ بصیرت حاصل ہو تو دونوں طرح کی یہ کیفیت آپ کو اپنے پڑوس ہی میں نظر آ جائے گی۔

اتنی تمہید کے بعد اب اس آیتِ کریمہ کے ذیل میں فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی اس مہکتی ہوئی عبارت سے اپنا دماغ معطر کیجیے: "سبحان اللہ! کس قدر رحمت و فضل کا دریا موجزن ہے ادب والوں کے لیے کہ اگرچہ گناہگار ہوں' ان کے لیے مغفرت کی بشارت بھی ہے اور بہت بڑے اجر و ثواب کا وعدہ بھی۔ اس آیتِ کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ادب ہر کس و ناکس کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ یہ دولت انہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے جن کے قلوب امتحانِ الٰہی میں پورے اُتریں۔" ﴿انوارِ احمدی' ص: 206﴾

⑤ پانچویں آیتِ کریمہ:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ O وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں اُن میں سے اکثر لوگ بے عقل ہیں۔ اگر وہ لوگ صبر سے کام لیتے یہاں تک کہ آپ خود اُن کی

طرف تشریف لے جاتے تو اُن کے حق میں کہیں بہتر تھا‘ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تشریح: اس آیتِ کریمہ میں خاص طور پر دو باتیں نوٹ کرنے کی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ پیغمبر کا منصب ہے کہ بندوں کو خداوندِ ذوالجلال کے دربار میں حاضری کے آداب سکھلائے لیکن یہاں الطافِ کریمانہ کا یہ جلوہ ماتھے کی آنکھوں سے دیکھئے کہ معبودِ حقیقی اپنے ایک بندے کے دربار میں حاضری کے آداب خود اپنے بندوں کو سکھلا رہا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی اس غلط فہمی کی کوئی گنجائش ہے کہ ایسا بندہ ہماری ہی طرح ایک نادان‘ بے خبر اور بے وقعت بندہ ہوگا؟ معاذ اللہ!

ذرّہ برابر بھی کسی کے دماغ میں جوہرِ لطیف کا حصّہ ہے تو اسے یہ حقیقت تسلیم کرنی ہوگی کہ وہ بندہ جس پائے کا رسول ہے یقیناً اُسی پائے کا محبوب بھی ہے۔ کیونکہ اس طرح کا معاملہ حاکم و بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے یا پھر اپنے کسی خاص الخاص محبوب کے ساتھ! تیسری کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ قرآن صرف خدا کی عبادت کا ڈھنگ بتاتا ہے‘ رسول ﷺ کی تکریم و آداب کے طریقے بدعتیوں نے نکالے ہیں‘ وہ عبرتناک قسم کی غلط فہمی یا بد دیانتی میں مبتلا ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ دل کی کیفیت کے اعتبار سے جرم کی سزائیں مختلف ہوتی ہیں۔ اگر کوئی جرم عمداً سرزد ہوا ہے تو اس کی سزا سخت ہوتی ہے اور سہواً ہوا ہے تو سزا میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔ قصد و بلا قصد کی بنیاد پر سزاؤں کا یہ فرق قانون کی نظر میں بھی مسلم ہے۔

یہاں صورتِ حال بتا رہی ہے کہ حجروں کے پیچھے سے رسول ﷺ کو پکارنے والے اہانت کی نیت سے نہیں پکار رہے تھے بلکہ بارگاہِ رسالت ﷺ کے آداب سے

بے خبری کے نتیجے میں ان سے یہ غلطی سرزد ہوگئی۔ دلوں کا حال کوئی جانے نہ جانے لیکن اللہ تو ضرور جانتا ہے۔ اسی لیے آپ دیکھ رہے ہیں کہ کتنے نرم لب ولہجہ میں ان کی مذمت کی گئی ہے۔ کسی کو بے عقل یا بے وقوف کہہ دینا کوئی بڑی مذمت نہیں ہے اور پھر اس کے بعد ہی ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ کا مرہم تسکین کیا۔ ان لفظوں کا کرب کسی کو محسوس ہونے دے گا؟

لیکن اب آیئے تصویر کے دوسرے رُخ کا بھی مطالعہ کریں۔ اسی قرآن میں کچھ گستاخ ایسے بھی نظر آتے ہیں جنہوں نے رسول ﷺ کی حرمت کو دیدہ و دانستہ اہانت کے کلمات سے مجروح کیا ہے۔ ان کے بارے میں قرآن کا رویہ اتنا سخت ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پوری سورۂ لہب خدا کے قہر و جلال کی ایسی دہکتی ہوئی آگ ہے جس میں ابولہب آج تک سلگ رہا ہے۔ کفر و شرک کا جرم تو اس نے اپنی زندگی میں ہزاروں بار کیا ہوگا پھر بھی مشیتِ الٰہی کی غیرت جوش میں نہیں آئی لیکن رسول ﷺ کے ساتھ گستاخی کا ایک جرم سرزد ہوا تو سارا جہنم اُبل پڑا‘ اس پر بھی اور اس کی بیوی پر بھی۔ یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مجرم کے ساتھ ساتھ مجرم کے حامیوں اور ساتھیوں کی بھی پکڑ ہوتی ہے۔

آپ اپنا مطالعہ جاری رکھیں گے تو آپ کو اسی قرآن میں وہ گستاخ بھی ملے گا جس کے دس عیوب قرآن نے کھول کھول کر بیان کر دیے ہیں‘ یہاں تک کہ اخیر میں اس کے نسب کا پول بھی کھول دیا ہے۔ پھر جس منہ سے اس نے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کا جملہ نکالا تھا اُسے سؤر کی تھوتھنی قرار دے کر اُس پر دائمی عذاب کی مہر بھی لگا دی ہے۔

کتاب کے ضخیم ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو قرآن حکیم میں اس طرح کے بے شمار مقامات میری نظر میں تھے۔ اس لیے اتنے ہی پر بس کرتے ہوئے اب میں پھر آپ کی گرانقدر توجہ حضرت فاضلِ مصنف کے ان ایمان افروز ارشادات کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو اس آیتِ کریمہ کے ذیل میں انہوں نے ثبت فرمائے ہیں۔

تحریر فرماتے ہیں: ''اس آیتِ شریفہ میں جن لوگوں نے حضرت ﷺ کے برآمد ہونے کا انتظار نہ کر کے انہیں پکارنا شروع کیا ان کی نسبت ارشاد ہوتا ہے کہ وہ بے عقل ہیں۔ اب یہ دیکھنا چاہیے کہ ان کے دماغوں میں کچھ فتور تھا جس کی وجہ سے ان کو مجنون کہا گیا یا کوئی اور بات ہے؟ یہ کسی کتاب میں بھی نہ ملے گا کہ وہ چند دیوانے تھے جو اتفاق کر کے آئے اور گڑبڑ کر کے چلے گئے بلکہ کتبِ احادیث وتفاسیر سے ثابت ہے کہ بہت بڑے ہوشیار اور ساری قوم کے مدبّر لوگ منتخب ہو کر اس غرض سے آئے تھے کہ شعر وسخن میں آنحضرت ﷺ کے شاعر اور خطیب پر سبقت لے جائیں' باوجود اس کے بے وقوف بنائے جا رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ منشاء اس کا کچھ اور ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ جب تک کسی کی عقلِ سلیم میں کجی نہیں ہوتی' بزرگوں کی برابری کا دعویٰ نہیں کرتا۔ اگر کچھ بھی عقل ہو تو آدمی سمجھ سکتا ہے کہ برگزیدگانِ حق کے ساتھ برابری کیونکر ہو سکے گی؟ اس لیے کہ یہ تو حق تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔ الحاصل حماقت اور بے وقوفی بے ادبوں کی نصِ قطعی سے ثابت ہوگئی۔'' ﴿انوارِ احمدی' ص:208﴾

⑥ چھٹی آیتِ کریمہ:

﴿ لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ

بَعْضًا﴾ تم اپنے درمیان رسول کے پکارنے کو ایسا مت ٹھہرا لو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

تشریح: اس آیتِ کریمہ کے ذیل میں حضرت فاضلِ مصنف کے یہ گراں بہا کلمات ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت موصوف نے اپنے علم وفضل کے کیسے کیسے جواہرات بکھیرے ہیں؟

تفسیر دُرِ منثور کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں: ''بعض لوگ آنحضرت ﷺ کو صرف نام اور کنیت کے ساتھ پکارتے تھے جیسے کوئی اپنے بھائی کو پکارتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس طرح پکارنے سے لوگوں کو منع کر دیا اور تاکید فرمائی کہ کامل عجز و نیاز کے ساتھ یارسول اللہ! اور یا نبی اللہ! کہہ کر انہیں پکارا کریں جس سے عظمت وشرف اور تعظیم و توقیر آنحضرت ﷺ کی ظاہر ہو۔

حق تعالیٰ کو اتنی بات بھی گوارا نہیں ہے کہ کوئی شخص اس کے حبیب کریم ﷺ کو نام لے کر پکارے۔ اور طرفہ یہ ہے کہ خود حق تعالیٰ نے بھی تمام قرآن شریف میں حضرت کو نام کے ساتھ کہیں خطاب نہیں فرمایا۔ بلکہ جب بھی خطاب کیا ﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ وغیرہ صفاتِ کمالیہ کے ساتھ انہیں خطاب کیا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ کمال درجہ کی عظمت آنحضرت ﷺ کی لوگوں پر ظاہر کرنا حق تعالیٰ کو منظور ہے۔ ورنہ وہی حضرت آدم اور دوسرے انبیاء اولوالعزم کو اُن کی جلالتِ شان کے باوجود نام ہی کے ساتھ خطاب فرماتا ہے۔'' ﴿انوارِ احمدی' ص:208﴾

اس کے بعد حضرت فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیتِ کریمہ کے ذیل میں ایک عجیب وغریب نکتے کا افادہ فرمایا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے: ''یہاں سے ایک بات

اور بھی معلوم ہوئی کہ قرآن شریف میں گویا ایک طرح کا التزام نعتِ نبوی ﷺ کا رکھا گیا ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ پکارنے کا مقصد یہ ہے کہ جس کو پکارا جائے وہ اپنی ذات کے ساتھ متوجہ ہو جائے۔اب اگر کسی کو صرف اس کے نام کے ساتھ پکارا جائے تو اس سے صرف اتنا ہی مقصد حاصل ہوگا کہ وہ اپنی ذات کے ساتھ پکارنے والے کی طرف متوجہ ہو جائے گا لیکن اگر اس کے کسی وصفِ خاص کے ساتھ پکارا جائے تو توجہ کے ساتھ ساتھ اس کی عظمت وتعریف کا اظہار بھی ہو جائے گا۔اس تمہید کے بعد یہ سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ یارسول اللہ! اور یا نبی اللہ! کہہ کر پکارنے سے جہاں یہ مقصد حاصل ہوتا ہے کہ جسے پکارا جا رہا ہے وہ پکارنے والے کی طرف متوجہ ہو جائے، وہیں دوسرا مقصد یہ بھی حاصل ہوگا کہ ہر پکار میں حضور ﷺ کی نبوت ورسالت کا بھی اظہار ہوتا رہے گا جو حضور ﷺ کے جملہ اوصاف میں سب سے بڑا وصف ہے بلکہ جملہ اوصاف وکمالات کا مدار وہی ہے۔" ﴿انوارِ احمدی، ص:209﴾

ایک اعتراض اور اُس کا جواب:

حضرت فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیتِ کریمہ کے ذیل میں ایک اعتراض اور اُس کے جواب میں نہایت شاندار بحث فرمائی ہے۔جس کا خلاصہ یہ ہے: "یہاں ایک اعتراض کی گنجائش نکل سکتی ہے کہ ابوامامہ ابنِ سہل سے جو حدیث نسائی، ابنِ ماجہ، ترمذی، امام احمد ابنِ حنبل، حاکم اور بیہقی نے روایت کی ہے۔حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور شیخین کی شرط پر ہے۔اُس میں یہ واقعہ نقل ہوا ہے کہ جس زمانے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تختِ خلافت پر جلوہ فرما تھے، ایک صاحب ان کی خدمت میں کسی

ضرورت سے ہر روز حاضر ہوتے تھے لیکن وہ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔

ایک دن انہوں نے یہ واقعہ حضرت عثمان ابنِ حُنیف سے بیان کیا۔انہوں نے مقصد کی کامیابی کے لیے انہیں ایک عمل بتایا اور کہا: وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو، پھر یہ دعا کرو اور دُعا کے بعد اپنا مقصد عرض کرو۔خدا نے چاہا تو تمہارا کام بن جائے گا۔وہ دعا یہ ہے ﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیۡ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّیۡ فِیۡ حَاجَتِیۡ لِتُقْضٰی لِیۡ فَشَفِّعْهُ فِیَّ﴾ یا اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے پیارے نبی محمد ﷺ کے وسیلے سے جو نبیِ رحمت ہیں، تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔یا محمد! میں آپ کے وسیلے سے اپنی حاجت کے بارے میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری حاجت پوری کی جائے۔آپ میرے بارے میں خدا کے حضور سفارش کر دیجیے۔

چنانچہ انہوں نے اسی ترکیب کے ساتھ نماز پڑھی اور دوسرے دن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ابھی وہ اُن تک پہنچے بھی نہیں تھے کہ دربان نے ان کا ہاتھ پکڑا اور ان کے پاس پہنچا دیا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پورے اعزاز و تکریم کے ساتھ انہیں اپنی مسند پر بٹھایا اور فوراً اُن کی حاجت پوری کر دی۔فرمایا: آئندہ تمہیں کسی طرح کی حاجت پیش آئے تو سیدھے میرے پاس آ جایا کرو۔

اُسی دن وہ صاحب حضرت عثمان ابنِ حُنیف رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔آپ کی سفارش سے آج

حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے میری حاجت پوری فرمادی اور وہ میرے اوپر اتنے مہربان ہو گئے کہ آئندہ کے لیے بھی میرا راستہ کھل گیا۔ حضرت عثمان ابنِ حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری تو اُن سے ملاقات بھی نہیں ہوئی ہے' اس لیے سفارش کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ سارا اثر اسی نماز کا ہے' جس کی ترکیب میں نے آپ کو بتائی تھی کیونکہ حضور پاک ﷺ کے عہد مبارک میں بھی اسی طرح کا ایک واقعہ پیش آیا تھا۔

حضور ﷺ کی خدمت میں ایک نابینا حاضر ہوا اور اُس نے درخواست کی کہ میرے لیے دعا فرمائیے کہ میں بینا ہو جاؤں۔ حضور ﷺ نے اسے اسی نماز کی تلقین فرمائی تھی۔ جیسے ہی اس نے دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دُعا مانگی' ابھی اپنی جگہ سے اٹھا بھی نہیں تھا کہ اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ اسی وقت سے حاجت برآری کے لیے یہ نماز مسلمانوں میں رائج ہو گئی۔

حضرت امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ﴿القول البدیع﴾ میں اس نماز کے بارے میں اعتراض نقل کیا ہے کہ نماز کے بعد جو دُعا کی جاتی ہے اس میں لفظ محمد کے ساتھ حضور کو ندا کیا جاتا ہے جبکہ قرآن حکیم کی رُو سے نام کے ساتھ حضور ﷺ کو پکارنے کی ممانعت ہے۔ انہوں نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ چونکہ اس نماز اور دُعا کی تعلیم خود حضور ﷺ نے دی ہے' اس لیے دعا کے الفاظ میں کسی طرح کا ردّ و بدل نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے بھی وہ مناسب نہیں ہے کہ خود نماز کی تاثیر کے ساتھ ان الفاظ کا گہرا تعلق ہے کہ یہ الفاظ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ہیں۔"

﴿انوارِ احمدی' ص:255﴾

❼ ساتویں آیتِ کریمہ:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا﴾ اے ایمان والو! (نبی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے) رَاعِنَا مت کہو بلکہ اُنْظُرْنَا کہا کرو۔

تشریح: اس آیتِ کریمہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ یہودی مذہب کے لوگ جب حضور ﷺ سے گفتگو کرتے تو آپ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے رَاعِنَا کہا کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ حضور ﷺ ہماری رعایت فرمائیے یعنی اچھی طرح بات ذہن نشین کروا دیں۔ چنانچہ انہیں دیکھ کر صحابہ کرام بھی حضور ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے رَاعِنَا کہنے لگے۔ لیکن یہودیوں کے یہاں رَاعِنَا کا لفظ گالی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا تھا اور یہودی رَاعِنَا کے لفظ سے یہی مراد لیتے تھے۔

اس بنیاد پر حق تعالیٰ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ تم رَاعِنَا کے بجائے اُنْظُرْنَا کہا کرو یعنی ہماری طرف نگاہِ کرم مبذول فرمائیں۔ یعنی وہ لفظ ہی ترک کر دو جس میں توہین کا بھی ایک پہلو ہے۔ جب صحابہ کرام کو معلوم ہوا کہ اس لفظ میں اہانت کا مفہوم بھی شامل ہے تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ جس کی زبان سے بھی یہ کلمہ سنو اُس کی گردن مار دو۔ اس کے بعد پھر کسی یہودی نے اس کلمہ کا استعمال نہیں کیا۔

اب اس آیتِ کریمہ کے ذیل میں فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے قلم حقیقت رقم سے نکلے ہوئے یہ گنجہائے گرانمایہ ملاحظہ فرمائیے۔ تحریر فرماتے ہیں: "ہر چند صحابہ کرام اس لفظ کو نیک نیتی سے تعظیم کے محل میں استعمال کیا کرتے تھے مگر چونکہ دوسری زبان میں یہ گالی تھی اس لیے حق تعالیٰ نے اس کے استعمال سے منع فرمادیا۔ اب یہاں ہر شخص

سمجھ سکتا ہے کہ جس لفظ میں کنایۃً بھی توہین نہ تھی' صرف دوسری زبان کے لحاظ سے استعمال اس کا ناجائز ٹھہرا تو وہ الفاظِ ناشائستہ جن میں صراحتاً حضور ﷺ کی کسرِ شان ہو کیونکر جائز ہوں گے؟'' ﴿انوارِ احمدی' ص:212﴾

فاضل مصنف ﷫ کا یہ دوسرا پیراگراف بھی چشمِ بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے: ''صرف مؤمنین کو مخاطب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے الفاظ نیک نیتی سے بھی استعمال کرنا درست نہیں۔ پھر سزا اس کی یہ ٹھہرائی گئی کہ جو شخص یہ الفاظ کہے خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان اس کی گردن ماردی جائے۔ بالفرض کوئی مسلمان بھی یہ لفظ کہتا تو اس وجہ سے کہ وہ حکم عام تھا' بے شک اس کی گردن ماردی جاتی اور کوئی یہ نہ پوچھتا کہ اس لفظ سے تمہاری کیا مراد تھی؟

اب غور کرنا چاہیے کہ جو الفاظ خاص توہین کے محل میں مستعمل ہوتے ہیں اُنہیں آنحضرت ﷺ کی نسبت استعمال کرنا خواہ صراحتاً یا کنایۃً کس درجہ قبیح ہوگا؟''

﴿انوارِ احمدی' ص:212﴾

اب اس بحث کے خاتمے پر غیرتِ عشق ووفا میں بھیگے ہوئے حضرت مصنف ﷫ کے یہ تاثرات پڑھیے' سطر سطر سے لہو کی بوند ٹپک رہی ہے۔ لفظ لفظ ایمان کی حرارت سے تپا ہوا ہے: ''اگر صحابہ کے رُوبرو جن کے نزدیک رَاعِنَا کہنے والا مستوجبِ قتل تھا کوئی اس قسم کے الفاظ کہتا تو کیا اس کے قتل میں کچھ تامل ہوتا یا سزا سے بچنے کے لیے تاویلات واردہ کچھ مفید ہوسکتیں؟ ہرگز نہیں!

مگر اب سوائے اِس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ اُس زمانے کو یاد کرکے اپنی بے بسی پر

رَویا جائے۔ اب پرانے خیالات والے وہ پختہ کار کہاں ہیں جن کی حمیت نے اسلام کے جھنڈے مشرق و مغرب میں نصب کردیے تھے۔ ان خیالات کے جھلملاتے ہوئے چراغ کو آخری زمانے کی ہوا نہ دیکھ سکی۔ غرض میدان خالی پاکر جس کا جی جو چاہتا ہے کمال جرأت کے ساتھ کہہ دیتا ہے۔ پھر اس دلیری کو دیکھیے کہ جو گستاخیاں اور بے ادبیاں قابلِ سزا تھیں' اُنہیں پر ایمان کی بناء قائم کی جارہی ہے' جب ایمان یہ ہو تو بے ایمانی کا مضمون کیا ہوگا؟'' ﴿انوارِ احمدی' ص:213﴾

فاضل مصنف کی یہ عبارت بار بار پڑھیے اور ہر بار اَپنے دل کے کسی روزن سے جھانک کے دیکھیے کہ کیا وہاں غیرتِ عشقِ رسول ﷺ نام کی کوئی چیز موجود ہے۔ اگر آپ کی غیرت بیدار ہوتی اور آپ گستاخانِ رسول ﷺ کے لیے خطرہ بن گئے ہوتے تو ایک بوڑھے مصنف کے قلم کی نوک سے حسرتوں کا یہ خون نہیں ٹپکتا۔

8 آٹھویں آیتِ کریمہ:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ وَ اللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ﴾ اے ایمان والو! نبی کے گھر میں صرف اس وقت جاؤ جب تمہیں بلایا جائے اور وہاں بیٹھ کر کھانا پکنے کا انتظار نہ کرو لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو جاؤ اور جب کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں دل لگائے ہوئے واں مت بیٹھے رہو۔ کیونکہ اس بات سے نبی کو اذیت پہنچتی ہے اور وہ فرط

حیاء سے کچھ نہیں بولتے لیکن اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے حیاء نہیں فرماتا۔

تشریح: اس آیتِ کریمہ میں بھی صحابہ کرام کو نبی ﷺ کے کاشانۂ اقدس میں داخل ہونے کے آداب سکھائے گئے ہیں۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ قرآن صرف روزہ، نماز اور عبادات کے احکام سکھانے کے لیے اُترا ہے، منصبِ نبوت کا ادب و احترام اس کا موضوعِ سخن نہیں ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد اب فاضل مصنف کی تحریر کے مطالعہ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیجیے۔ آیتِ کریمہ کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں: ''ایک بار بعض صحابہ کھانا کھانے کے بعد آنحضرت ﷺ کے دولت خانے میں تھوڑی دیر ٹھہرے رہے جیسا کہ عام طور پر لوگوں کی عادت ہوتی ہے، ان کی وجہ سے حضور ﷺ نہ اپنے مشاغل میں مصروف ہو سکے اور نہ مروّت سے کچھ فرما سکے۔ غرض یہ کہ یہ بات کسی قدر گرانیٔ خاطر کا باعث ہو گئی۔ اس کے فوراً ہی بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس بات سے حضور ﷺ کو گرانیٔ خاطر مبارک ہو یا کسی قسم کا ملال ہو، حق تعالیٰ کو کمال ناپسند اور نہایت ناگوار ہے۔

شاید بعض لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ قرآن شریف صرف توحید اور احکام معلوم کرانے کے لیے نازل ہوا ہے مگر یقین ہے کہ جب ان آیات میں غور و تامل کیا جائے گا تو ضرور یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ قرآن شریف علاوہ ان احکام کے آنحضرت ﷺ کی عظمت اور آداب سے بھی روشناس کراتا ہے۔ جب آنحضرت ﷺ کی ادنیٰ گرانیٔ خاطر کا لحاظ حق تعالیٰ کو اس قدر ہے تو وہ باتیں جو سراسر کسرِ شان کی ہیں، کس قدر غیرتِ الٰہی کو جوش میں لاتی ہوں گی؟'' ﴿انوارِ احمدی، ص:216﴾

☆☆☆☆☆

پانچواں باب

بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کے ادب و احترام کی عملی تعلیمات

دین میں تعظیم و ادب کی اہمیت و ضرورت پر قرآن کی آیاتِ کریمہ سے استدلال کرنے کے بعد اب حضرت فاضل مصنف، رسول پاک ﷺ کی عملی زندگی سے چند ایسے نمونے پیش کر رہے ہیں جس سے ثابت ہو جائے کہ قابلِ احترام چیزوں کا ادب اور تعظیم اللہ پاک کا حکم بھی ہے اور رسول پاک ﷺ کی سنت بھی۔

اس موضوع پر حضرت مصنف نے چار احادیث نقل فرمائی ہیں۔

﴿حضور ﷺ کے احترام و تعظیم پر احادیث سے دلائل﴾

❶ پہلی حدیث:

﴿بے وضو سلام کا جواب نہ دینا﴾

دار قطنی کتاب المجتبیٰ میں حضرت ابوجہم سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ ایک دن حضور انور ﷺ حاجتِ بشری سے فارغ ہو کر بئرِ جُمل (کنویں کا نام ہے) کی طرف سے تشریف لا رہے تھے کہ میرا آمنا سامنا ہو گیا۔ میں نے سلام عرض کیا، حضور ﷺ نے جواب دینے میں توقف فرمایا، یہاں تک کہ تیمم کرنے کے بعد آپ نے میرے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: جواب دینے سے سوا اس کے اور کوئی چیز مانع نہ تھی کہ میں باوضو نہ تھا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ﴿اِنَّهٗ لَمْ يَمْنَعْنِيْ اَنْ اَرُدَّ عَلَيْكَ السَّلَامَ اِلَّا اَنِّيْ لَمْ اَكُنْ عَلٰى طُهُوْرٍ﴾ بے شک حدث (بے وضو) ہونے کے علاوہ کسی چیز نے مجھے تمہارے سلام کا جواب دینے سے نہیں روکا۔

اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "ظاہر ہے کہ لفظ وعلیکم السلام کچھ آیتِ قرآنی نہ تھے جسے پڑھنے کے لیے طہارت کا اہتمام

ضروری تھا۔ اگرچہ حدثِ اصغر سے طہارت آیتِ قرآنی کی تلاوت کے لیے بھی شرط نہیں ہے لیکن چونکہ سلام حق تعالیٰ کا نام ہے اس وجہ سے بلا طہارت اسے زبان پر جاری کرنے سے تامل فرمایا۔ گویا اس سے اس بات کی تعلیم بھی مقصود تھی کہ ایسے امور سے گو اس کے کرنے کی اجازت ہو احتراز کرنا اولیٰ اور انسب ہے۔"

﴿انوارِ احمدی، ص: 227﴾

❷ دوسری حدیث:

﴿یہودی زانی کا تورات کے مطابق فیصلہ کرنا﴾

سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ قومِ یہود کے چند اشخاص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست پیش کی کہ تھوڑی دیر کے لیے قِف تک تشریف لے چلیں جو مدینہ کے قریب ایک مقام ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور بیت مِدراس میں قیام فرمایا۔

حضور ﷺ کے لیے ان لوگوں نے ایک مسند بچھا رکھی تھی جس پر حضور جلوہ افروز تھے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اپنا اصل مدعا پیش کرتے ہوئے کہا: ہماری قوم میں سے کسی شخص نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا ہے۔ اس بارے میں آپ حکم صادر فرمائیں کہ اسے کیا سزا دی جائے؟ اس درخواست کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ تورات منگوائی جائے۔ جب وہ لوگ تورات لے کر آ گئے تو حضور ﷺ مسند سے نیچے اتر آئے اور تورات کو مسند پر رکھ دیا کہ میں تجھ پر اور تیرے اتارنے والے پر ایمان لے آیا۔ اس کے بعد فرمایا: تمہارے اندر جو بڑا عالم ہو اسے بلا لاؤ۔ چنانچہ

ایک جوان آیا اور اُس نے تورات سے ثابت کر دیا کہ یہودی مذہب میں زانی کو سنگسار کرنے کی سزا ہے۔ یہودی اس سزا کا انکار کرتے تھے۔

﴿انوارِ احمدی، ص:225﴾

اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''باوجودیکہ اس زمانے میں تورات تحریف وتصحیف سے خالی نہ تھی لیکن حضور ﷺ نے اس کا بھی احترام کیا کہ خود مسند سے نیچے اُتر گئے اور تورات کو مسند پر جگہ دی۔''

﴿انوارِ احمدی، ص:225﴾

③ تیسری حدیث:

﴿بیت اللہ کو بتوں سے پاک کرنا﴾

مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے صاحبِ کنزالعمال نے یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن ہم مکہ معظمہ میں رسول پاک ﷺ کے ساتھ داخل ہوئے۔ اس وقت عین کعبہ شریف میں اور اُس کے اطراف وجوانب میں تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ حضور ﷺ نے انہیں حکم فرمایا اور سارے بت سرنگوں ہوگئے۔ پھر قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾

اس کے بعد خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھی۔ اس موقع پر دیکھا کہ وہاں حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہم السلام کی تصویریں دیواروں پر اس طرح بنائی گئی ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ میں تیر

ہے جس کے ذریعہ کفار فال لیا کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے یہ تصویریں دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ﴿قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَسْتَقْسِمُ بِالْاَزْلَامِ﴾ اللہ ان تصویر بنانے والوں کو ہلاک کرے، ابراہیم تیروں سے فال نہیں لیتے تھے۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے زعفران منگوا کر اُن تصویروں پر پوت دیا جس سے تصویریں چُھپ گئیں۔ اب اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی یہ ایمان افروز عبارت چشمِ عقیدت سے پڑھیے۔ تحریر فرماتے ہیں: ''ظاہر ہے کہ یہ تصویریں بھی بتوں ہی کی قطار میں تھیں جن کی توہین کا حکم صادر ہو چکا تھا۔ علاوہ ازیں ان تصویروں کو ان حضرات سے نسبت ہی کیا تھی؟ وہ تو چند احمقوں نے اپنی طبیعت سے جس طرح چاہا بنا لیا تھا مگر اتنی بات ضرور تھی کہ ان حضرات کا نام ان فرضی تصویروں کے ساتھ منسلک ہو گیا تھا جس کا لحاظ کرتے ہوئے حضور ﷺ نے ان کو مٹایا بھی تو معطر زعفران سے، ورنہ مٹانے والی چیزوں کی وہاں کچھ کمی نہ تھی۔

سبحان اللہ! کس قدر پاسِ ادب تھا کہ جہاں بزرگوں کا نام آ گیا پھر وہ چیز کسی درجہ کی باطل ہی کیوں نہ ہو اس کے ساتھ بھی ایک طرح سے ادب کی رعایت کی گئی۔ اب مقامِ غور ہے کہ جب خود آنحضرت ﷺ نے جن کا مرتبہ حق تعالیٰ کے نزدیک ابراہیم علیہ السلام اور تمام انبیاء سے بڑھا ہوا ہے، ایسی بے اصل چیزوں کے ساتھ بھی صرف نام کا لحاظ کرتے ہوئے ادب کی رعایت فرمائی تو ہم آخری زمانے کے مسلمانوں کو کس درجہ کا ادب ان آثار کے ساتھ کرنا چاہیے جن کا بطور واقعی

آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہونا لاکھوں مسلمانوں کے عقیدوں سے ثابت ہے۔ اگر بالفرض حضور ﷺ کی طرف ان آثار کی نسبت صحیح بھی نہ ہو تو کم از کم اس کا تو لحاظ رکھنا چاہیے کہ وہاں حضور ﷺ کی نسبت تو ہے۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ بجائے نادم ہونے کے لوگ اسی عقیدہ والوں کو اُلٹا مشرک بناتے ہیں۔"

﴿انوارِ احمدی، ص: 230﴾

❹ چوتھی حدیث:

﴿بوقتِ پیشاب احترام بیت اللہ کرنا﴾

صحاح ستہ میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ حضور اکرم سیّد عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: رفع حاجت کے وقت نہ قبلہ کی طرف منہ کرو اور نہ اس کی طرف پیٹھ کرو۔

دوسری حدیث میں، جسے صاحبِ کنز العمال نے حضرت سراقہ ابنِ مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، جس میں حضور ﷺ نے اس حکم کی علت کھول کر بیان کر دی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جو شخص رفعِ حاجت کے لیے بیٹھے تو اسے چاہیے کہ وہ قبلہ کی سمت کا احترام کرتے ہوئے اس کی طرف مُنہ کر کے نہ بیٹھے۔

پھر اسی کنز العمال میں ایک حدیث مرسل بھی ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص بھول کر قبلہ کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنے لگے یا پھر یاد آتے ہی قبلہ کی تعظیم کے خیال سے رُخ پھیر لے تو اُٹھنے سے پہلے اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

اب ان حدیثوں کے ذیل میں حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حقیقت رقم قلم

سے علم و عرفان کے جو گل بوٹے کھلائے ہیں، اس کی خوشبو سے اپنا دماغ معطر کیجیے۔

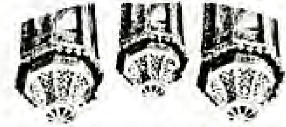
تحریر فرماتے ہیں: "اگر عقلِ نارسا سے کام لیا جائے تو یہ بات کبھی سمجھ میں نہ آئے گی کہ ان حالتوں میں قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا کیوں منع ہوا؟ خصوصاً اس مقام میں جہاں سے کعبہ شریف سینکڑوں، ہزاروں کوس کے فاصلے پر ہو۔ اگر اس مقام پر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ کعبہ شریف از قسمِ جمادات ہے۔ اس کی طرف صرف نماز میں متوجہ ہونا امتثالِ امر کے لیے کافی تھا لیکن ہر وقت اس کی تعظیم دل میں جمائے رکھنا اور حالتِ نماز کے علاوہ دوسری حالتوں میں بھی اس کا ادب ملحوظ رکھنا کیا ضروری ہے؟

تو اِس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے اُمور میں عامیوں کی سمجھ کو کچھ دخل نہیں ہے۔ جو لوگ آداب کی حقیقت اور اُس کے تقاضوں سے واقف ہیں ان کی طبیعت خود گواہی دے گی کہ فضیلت و شرافت والی چیزوں کے ساتھ ہر حالت اور ہر وقت میں خواہ قریب ہوں یا بعید مؤدب رہنا ضروری ہے۔" ﴿انوارِ احمدی، ص: 228﴾

عبارت کا یہ حصہ بھی چشمِ بصیرت اور دیدۂ عبرت سے پڑھنے کے قابل ہے: "جب بیت اللہ شریف کو بہ سبب شرافت یہ رتبہ حاصل ہوا کہ ہر نزدیک اور دُور والے پر اِس کا ادب ضروری ٹھہرایا گیا تو جسے ذرا بھی نورِ بصیرت حاصل ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ خاص حبیبِ رب العٰلمین ﷺ کے متعلق آداب کی کس قدر ضرورت ہوگی؟"

﴿انوارِ احمدی، ص: 229﴾

☆☆☆☆☆



چھٹا باب

بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں صحابہ کرام اور اکابر اُمت کے شیوہ ہائے ادب

اس عنوان کے تحت حضرت فاضل مصنف نے احادیث وسیر کی مستند کتابوں سے ایسے ایسے واقعات جمع کیے ہیں کہ انہیں پڑھنے کے بعد ایمانی احساس کو ایک نئی زندگی ملتی ہے اور آدمی شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہے کہ منصبِ رسالت کے آداب کی جن نزاکتوں کو صحابہ کرام اور اکابر اُمت نے برت کر دکھایا' آج ہم ان سے واقف تک نہیں ہیں' عمل کرنا تو بڑی بات ہے۔

یہ واقعات ان لوگوں کی پشت پر ایک عبرت ناک تازیانہ سے کم نہیں ہیں جو تعظیم و ادب کے ہر موقع پر ہم سے سوال کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے کہیں اس کا حکم دیا ہو تو کتابوں میں دکھایئے؟ ہم اُن سے جواباً عرض کریں گے کہ صحابہ کرام اور اکابرِ اُمت کے یہ واقعات جو آنے والے اَوراق میں درج کئے جارہے ہیں' آپ انہیں غور سے پڑھیے اور بتایئے کہ حضور ﷺ کے بارے میں جس ادب و احترام کا انہوں نے مظاہرہ کیا تھا کیا حضور ﷺ نے اُنہیں اس کا حکم دیا تھا؟

تلاشِ بسیار کے بعد بھی آپ کو اس بارے میں حضور ﷺ کا کوئی حکم نہیں ملے گا۔ سوااِس کے کہ صحابہ کرام اور اکابرِ اُمت نے ہر موقع پر خود اپنے ایمان کا تقاضا محسوس کیا اور اُسے پورا کیا لیکن جہاں سرے سے ایمان ہی کا فقدان ہو وہاں ایمان کا تقاضا محسوس کرنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے؟

اب دل کے اخلاص کے ساتھ چشمِ عقیدت کھول کر ان واقعات کا مطالعہ کیجیے۔

● حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا شیوۂ ادب:

● بخاری شریف میں یہ حدیث حضرت سہل ابنِ سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے منقول

ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور انور ﷺ قبیلۂ بنی عمرو میں دو فریق کے درمیان صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ اسی قبیلہ ہی میں تشریف رکھتے تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ اذان کے بعد جب جماعت کا وقت ہوا تو مسجد نبوی شریف کے مؤذن نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی اجازت سے اقامت پڑھی۔ حضور ﷺ کی غیر موجودگی میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ امامت کے لیے آگے بڑھ گئے اور نماز شروع کردی۔ اسی درمیان میں حضور ﷺ تشریف لائے اور صف میں کھڑے ہو گئے۔

جب نمازیوں نے حضور ﷺ کو دیکھا تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو خبردار کرنے کے لیے ہاتھ سے دستک دینے لگے۔ جب حضرت ابوبکر ؓ نے دستکوں کی آواز سنی تو گوشۂ چشم سے دیکھا کہ حضور ﷺ اُن کے پیچھے صف میں کھڑے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی فوراً وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ حضور ﷺ نے انہیں اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ پر کھڑے رہو۔

اس پر انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور حضور ﷺ کی طرف سے اس عزت افزائی پر خدا کا شکر ادا کیا اور پیچھے ہٹ کر صف میں کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ امامت کے مصلّٰی پر تشریف لے گئے۔ جب حضور ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے دریافت فرمایا: جب میں نے خود تمہیں حکم دیا تھا کہ اپنی جگہ پر کھڑے رہو تو تمہیں اس حکم کی تعمیل سے کون سی چیز مانع ہوئی؟ حضرت ابوبکر نے جواب میں عرض کیا: ابوقحافہ کا بیٹا ہرگز اس لائق نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے آگے امام بن کر کھڑا ہو۔

اس واقعہ کا ظاہری پہلو واضح طور پر اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے حضور ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی لیکن اس کے باوجود

نافرمان نہیں کہے جاتے بلکہ حضور ﷺ کے سب سے بڑے تابع فرمان کہے جاتے ہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

آپ گہرائی میں اُتر کر سوچیں گے تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ نافرمانی سے چونکہ حکم دینے والے کی تحقیر ظاہر ہوتی ہے اس لیے نافرمانی کو بُرا سمجھا جاتا ہے اور اسی کے بالمقابل فرماں برداری سے چونکہ حکم دینے والے کی تعظیم نکلتی ہے اس لیے فرماں بردار کو اچھا کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر کسی مقام پر معاملہ اس کے برعکس ہو جائے اور نافرمانی سے حکم دینے والے کی عظمت ظاہر ہوتی ہو تو ایسی نافرمانی جائز ہی نہیں بلکہ قابلِ تحسین ہے۔ جس کا اظہار حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے اس عمل سے ہوتا ہے۔ انہوں نے ہمیں روشنی دکھلائی ہے کہ منصبِ رسالت کا ادب واحترام دین کی اساس ہے۔ جب تعظیم کی بنیاد پر حکم کی خلاف ورزی قابلِ تحسین عمل بن سکتا ہے تو ثابت ہوا کہ تعظیم کا حکم محتاجِ بیاں نہیں ہے۔ بغیر حکم کے بھی نبی کی تعظیم کی جائے گی۔

● کنز العمال میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ ایک دیہاتی حضرت ابوبکر ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا: کیا آپ رسول اللہ کے خلیفہ ہیں؟ آپ نے جواب میں فرمایا: نہیں! میں خالفہ ہوں۔

جوہری نے مختار الصحاح میں لکھا ہے کہ خالفہ گھر کے اُس فرد کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی خوبی نہ ہو۔ چونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اس لیے ازراہِ ادب آپ نے اپنے کو اس لفظ کا مصداق نہیں سمجھا۔ اس لفظ کو ایک ایسے لفظ میں تبدیل کر دیا جس میں خلافت کا مادہ بھی باقی رہا اور ادب بھی ہاتھ سے نہیں گیا۔

اب اس واقعہ پر حضرت فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حق افروز اور باطل سوز تبصرہ ملاحظہ فرمائیے۔تحریر فرماتے ہیں:''جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسے مسلم الثبوت خلیفہ راشد اپنے آپ کو حضور ﷺ کا خلیفہ کہنے میں تامل کریں تو اُن لوگوں کے حق میں ہم کون سا لفظ استعمال کریں جو نہایت دلیری سے حضور ﷺ کے ساتھ بھائی کا رشتہ جوڑتے ہیں۔معلوم نہیں اس برابری سے ان کا کیا مقصد ہے؟ اگر اپنے آپ کو وہ لوگ حضور ﷺ کے برابر کرنا چاہتے ہیں تو حضور کے وہ فضائل وخصوصیات جو کسی نبی مرسل کو نصیب نہیں ہوئے' اُن کے اندر کہاں سے پیدا ہو جائیں گے؟ اگر اپنے برابر کر کے وہ حضور کی شان گھٹانا چاہتے ہیں تو ان لوگوں پر ﴿اِنْ اَنْـتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ کا مضمون صادق آتا ہے۔غرض کسی طرف سے بھی اس کلمہ میں خیر کی راہ نہیں ہے۔''

﴿انوارِ احمدی' ص:234﴾

● حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا شیوۂ ادب:

● کنز العمال میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار اُنہوں نے حضور انور ﷺ سے عمرہ ادا کرنے کی اجازت طلب کی۔اجازت مرحمت فرمانے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:﴿لَا تَنْسَانَا یَا اَخِیْ مِنْ دُعَائِکَ﴾ میرے بھائی! اپنی دُعا میں ہمیں یاد رکھنا۔

حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد میرے نزدیک اتنا گراں بہا تھا کہ اس کے مقابلے میں تمام رُوئے زمین کی سلطنت بھی ہیچ تھی۔یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد مصنفِ کتاب نے اس گستاخ فرقے پر اتنی کاری ضرب لگائی ہے جو

حضور اکرم ﷺ کے ساتھ اپنی ہمسری کا خواب دیکھتا ہے کہ وہ تلملا اٹھیں گے۔

فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:''حضور کا یہ ارشاد سن کر ایک شخص کے دل کی وہ حالت ہوئی کہ بیان سے باہر ہے اور اس زمانے کے کچھ لوگ اس حدیث شریف سے یہ معنی نکالیں گے کہ اخوت امر اضافی ہے۔زمانہ کے تقدم اور تاخر سے اگر کچھ فرق ہے تو صرف بڑے اور چھوٹے کا ہے' یعنی حضرت بڑے بھائی ہوئے اور ہم چھوٹے بھائی۔﴿نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ﴾

﴿انوارِ احمدی' ص:194﴾

اس کے بعد فرماتے ہیں:''ایسے شخص کو اس حدیث شریف سے اس قدر حصہ ملا کہ سر میں ہمسری کا سودا سمایا اور یہ خیال آگے بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گیا ﴿اِنْ اَنْـتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ﴾ تک پہنچا دیا۔اب یہ شخص اُسی دُھن میں ہوگا کہ جہاں خود پہنچا ہے اوروں کو بھی وہیں پہنچا دے۔شاید اس کے خیال میں یہ بات کبھی نہ آئی ہوگی کہ ہم کہاں اور شانِ رحمۃ للعالمین وسید المرسلین کہاں؟

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

سلاطین اپنے خادموں اور غلاموں کو بھائی کہہ دیا کرتے ہیں بلکہ خود احادیث میں وارد ہے کہ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔اگر بادشاہ کے کہنے سے خدام اور غلام اپنے آقا کو بھائی سمجھنے لگیں تو وہ نہایت بے ادب اور احمق سمجھے جائیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ باوجود اپنی قرابت اور جلالتِ شان کے اپنے آپ کو حضور ﷺ کا عبد اور غلام کہا کرتے تھے جیسا کہ مستدرک میں حاکم نے حضرت سعید ابنِ المسیب سے اس مضمون کی حدیث روایت کی ہے۔اگر کسی قرابت کا اطلاق آنحضرت ﷺ پر

درست ہوتا تو وہ والد اور پدر بزرگوار کا تھا کہ ان کی ازواجِ مطہرات کو حق تعالیٰ نے اُمہات المؤمنین یعنی مسلمانوں کی ماں قرار دیا ہے لیکن اس کے باوجود حق تعالیٰ نے اس قرابت کی بھی نفی فرما دی جیسا کہ قرآن کی اس آیتِ کریمہ ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ﴾ سے ظاہر ہے یعنی محمد (ﷺ) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔''

﴿انوارِ احمدی، ص:195﴾

● کنز العمال میں حضرت عبدالرحمان ابنِ ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ مدینہ میں ایک شخص کا نام ''محمد'' تھا۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہیں سے گزر رہے تھے کہ انہوں نے سنا ''محمد'' نام والے شخص کو ایک آدمی بُرا بھلا کہہ رہا ہے۔ یہ سُن کر چلتے چلتے وہ رُک گئے اور اُس شخص کو جس کا نام ''محمد'' تھا اپنے قریب بلایا اور فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے نام کی وجہ سے نامِ پاک کی بے حرمتی ہو رہی ہے' اس لیے آج سے تمہارا نام بدل رہا ہوں۔ اب آج کے بعد سے تم بجائے ''محمد'' کے عبدالرحمٰن کے نام سے پکارے جاؤ گے۔

اس درمیان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے پر پڑی' ان کا نام بھی ''محمد'' تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کا نام بھی بدلنا چاہا تو انہوں نے کہا: میرا نام حضور ﷺ نے محمد رکھا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر سکتہ طاری ہو گیا اور فرمایا: اب تمہارا نام کوئی نہیں بدل سکتا۔

اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ اپنی غیرتِ ایمانی کا جلوہ دکھاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ''محمد'' کو گالیاں دیے جانا انہیں گوارا نہ ہوا مگر اصل واقعہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے نام لے کر

گالی دی' جس سے نام کی توہین کا سوال اُٹھتا بلکہ اُس نے تو اس کی ذات کو خطاب کر کے کہا تھا کہ تیرے ساتھ خدا ایسا کرے' ویسا کرے۔ اس سے نام کی توہین کیسے نکل آئی؟ اب اس کی اصل وجہ سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے: جس کا نام محمد رکھو اُس کی بے حرمتی مت کرو۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہوا کہ نام کی وجہ سے اس کی ذات میں بھی کسی نہ کسی طرح کی شرافت ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔

اگرچہ یہ بات عقل میں آنے والی نہیں ہے لیکن جب اس باب میں صراحۃً حدیثیں وارد ہیں تو اہلِ ایمان سے یہ کب ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ کے ارشاد کے مقابلے میں عقل کی سنیں؟ ایمان تو اسی کا نام ہے کہ جو حضرت نے فرما دیا اسے بے چون و چرا مان لیا۔ اگر وہ عقل کے مطابق ہے تو فبہا ورنہ عقل کو اس ارشاد کے آگے قربان کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ کسی چیز پر متبرک نام آنے کی وجہ سے اس چیز کا مکرم و محترم ہو جانا شارعِ پاک ﷺ کے ارشاد سے ثابت ہے۔'' ﴿انوارِ احمدی، ص:262﴾

● حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا شیوۂ ادب:

● کنز العمال میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے' انہوں نے فرمایا: جس دن سے میں نے حضور اکرم ﷺ سے بیعت کی اور اپنا دایاں ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیا' اس دن سے آج تک میں نے اپنے دائیں ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو نہیں چھوا۔

● کنز العمال ہی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی منقول ہے کہ ایک دن حضور ﷺ کسی باغ میں تشریف لے گئے اور وہاں ایک مکان میں رونق افروز ہوئے۔ اسی درمیان دروازے پر ایک شخص نے دستک دی۔ حضور ﷺ نے حضرت

انس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ دروازہ کھول دو اور دستک دینے والے کو جنت کی بشارت دو
اور یہ خبر دی دے دو کہ میرے بعد وہ خلیفہ ہوں گے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دروازہ کھول کر جب میں باہر نکلا تو دیکھا
دروازے پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں۔ اس کے بعد پھر کسی آنے
والے نے دروازے پر دستک دی، حضور ﷺ نے حضرت انس کو حکم دیا: دروازہ کھول
دو، دستک دینے والے کو جنت کی بشارت دو اور اُسے اِس کی خبر کر دو کہ میرے بعد اسے
میرا خلیفہ بننے کا شرف حاصل ہوگا۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ دروازہ کھول کر جب
میں باہر نکلا تو دیکھا کہ دروازے پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں۔
راوی کہتے ہیں کہ ابھی کچھ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ پھر کسی نے دروازے پر دستک
دی۔ حضور ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ دروازہ کھول دو، دستک دینے
والے کو جنت کی بشارت دو، اُسے یہ خبر بھی پہنچا دو کہ عمر کے بعد وہ خلیفہ ہوں گے اور وہ
قتل کیے جائیں گے۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ دروازہ کھول کر جب میں باہر نکلا
تو دیکھا کہ دروازے پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں۔ وہ اندر آئے اور عرض کیا:
یارسول اللہ! میں کبھی کسی گانے بجانے کی محفل میں شریک نہیں ہوا اور نہ میری زبان کبھی
جھوٹ پر آمادہ ہوئی۔ جس دن سے میں نے اپنا دایاں ہاتھ آپ کے دستِ مبارک میں
دیا، اس دن سے آج تک اُس ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو نہیں چھوا۔ آپ نے فرمایا: یہی
بات ہے عثمان، یعنی انہی خوبیوں کی وجہ سے بارگاہِ خداوندی میں تمہاری مقبولیت ہے۔
ان دونوں حدیثوں کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے یہ ایمان افروز

نکات ملاحظہ فرمائیں، جن سے دل کی گرہیں کھلتی ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں: ''اب یہاں
پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیعت کے وقت آنحضرت ﷺ کے
ہاتھ میں جو ہاتھ دیا تھا اُس میں کس قسم کا اثر دستِ مبارک کا رہ گیا تھا جس کی اس قدر
رعایت کی گئی۔ باطن کا حال تو وہی لوگ جانتے ہیں جو اس کے اہل ہیں لیکن ظاہر میں
کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جسے عقل متوسط تسلیم کر لے۔ رہا اعتقاد سے مان لینا تو وہ
بالکل دوسری بات ہے۔
غرض کچھ بھی سہی، کسی مسلمان سے یہ ممکن نہیں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے
اس فعل پر اعتراض کرے اور فعل بھی کیسا جس پر خود شارع علیہ السلام کی رضامندی کی مہر
لگی ہوئی ہے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ اس قسم کا خیال صرف اُنہی کا تھا بلکہ اس قسم کی باتیں
اکثر صحابہ و تابعین سے مروی ہیں۔ الحاصل اگرچہ حقیقت اس کی معلوم نہ ہو سکی لیکن
اعتقاد مان لینا پڑے گا کہ جس چیز کو دستِ مبارک یا جسم شریف کے مس سے شرافت
حاصل ہوگئی، اس میں کسی نہ کسی طرح کی فضیلت ضرور آ گئی۔''
تبصرہ کا یہ حصہ بھی چشمِ بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے: ''پھر دوسری بحث
طلب بات یہ ہے کہ شرمگاہ میں کون سی ایسی برائی رکھی تھی کہ وہاں متبرک ہاتھ لے جانا
مذموم سمجھا گیا۔ اکثر احادیث و آثار سے تو یہی ثابت ہے کہ وہ بھی ایک عضو ہے
دوسرے اعضاء کی طرح۔ البتہ اس عضو میں اگر کوئی کراہت ہے تو وہ طبعی ہے۔ اب
سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس طبعی کراہت کو بھی ادب نے اتنا بڑھایا کہ شرعی کراہت
سے بھی زیادہ اُس کی حس بڑھ گئی اور ساری عمر وہ اس فعل سے بچتے رہے۔ اس سے

معلوم ہوا کہ ادب ایک ایسی چیز ہے کہ اپنا اثر دکھانے میں نہ وہ کسی امر کا منتظر ہے اور نہ کسی نظیر کا محتاج! بلکہ اہلِ ایمان میں وہ ایک قوتِ راسخہ کا نام ہے جو ادب کرنے والوں کو معظم کے آگے جھکنے اور اُس کا احترام کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔"

﴿انوارِ احمدی، ص: 241﴾

● حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا شیوۂ ادب:

مسلم شریف میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث منقول ہے کہ صلح حدیبیہ کے دن صلح نامہ کی عبارت حضرت علی رضی اللہ عنہ لکھ رہے تھے جب انہوں نے صلح نامہ کی یہ سرخی لکھی: ﴿هٰذَا مَا کَاتَبَ عَلَیْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ یہ وہ نکات ہیں جن پر محمد رسول اللہ ﷺ نیمعاہدہ کیا۔

تو کفارِ مکہ کے نمائندگان کی طرف سے اعتراض ہوا کہ اس کاغذ پر رسول اللہ کا لفظ نہیں لکھا جا سکتا کیونکہ اگر ہم ان کو اللہ کا رسول ہی مانتے تو اُن کے ساتھ جنگ ہی کیوں کرتے؟ یہ سُن کر حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ رسول اللہ کا لفظ مٹا دو اور اِس کی جگہ ابنِ عبداللہ لکھو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جذبۂ عقیدت میں سرشار ہو کر جواب دیا: ﴿مَا اَنَا بِالَّذِیْ اَمْحَاهُ﴾ میں وہ شخص نہیں ہوں کہ رسول اللہ کا نام مٹا سکوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سُن کر حضور ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے اس لفظ کو قلمزد کر دیا اور اس کی جگہ پر ابنِ عبداللہ لکھا۔

اب ان دونوں حدیثوں کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے علم وعقیدت کے جو جواہرات بکھیرے ہیں ان کی چمک سے اپنی بصیرت کا نور بڑھایئے۔ تحریر

فرماتے ہیں: "اب تعمق نظر کی ضرورت ہے کہ باوجود یہ کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر کو پیچھے ہٹنے سے منع فرمایا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو رسول اللہ کا لفظ مٹانے کا امر فرمایا مگر ان دونوں حضرات سے حکم کی تعمیل نہ ہو سکی حالانکہ حق تعالیٰ کا صاف وصریح ارشاد ہے ﴿مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ رسول تمہیں جس بات کا حکم کریں اُسے کرو اور جس بات سے منع کریں اس سے باز رہو۔ دوسری آیت میں ارشادِ باری ہے کہ کسی مسلمان مرد اور عورت کو یہ اختیار نہیں کہ جب اللہ اور اُس کے رسول کا کوئی حکم صادر ہو جائے تو وہ اس سے سرتابی کریں۔

یہاں ایک خلجان پیدا ہوتا ہے جس کے ازالہ کے لیے تعمقِ نظر درکار ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کا تو انکار ہی نہیں ہو سکتا کہ ان حضرات سے عدولِ حکمی عمل میں آئی اور وہ بھی اس موقع پر جب کہ آنحضرت ﷺ خود بہ نفسِ نفیس موجود ہیں اور رُوبرو حکم دے رہے ہیں۔ اس بات کا بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ان حضرات میں گویا سرتابی کا مادہ ہی نہ تھا کہ ایک اشارے پر جان دے دینا اُن کے لیے کچھ بڑی بات نہ تھی۔ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ عدولِ حکمی خدا اور رسول کی مرضی کے خلاف تھی کیونکہ اگر یہ بات ہوتی تو خود حضور ﷺ انہیں تنبیہ فرماتے بلکہ کوئی آیت نازل ہو جاتی۔ اب اس خلجان کا ازالہ اسی طرح کیا جا سکتا ہے کہ اُن حضرات کے پاس ادب جو سچے دل سے تھا وہ ایسا بافروغ تھا کہ اس کے مقابلے میں عدولِ حکمی قابلِ التفات نہ ہوئی۔

اب ذرا صورتِ حال کی کشمکش کا اندازہ لگایئے کہ ایک طرف بہ نفسِ نفیس سیّد المرسلین ﷺ آمنے سامنے حکم دے رہے ہیں اور دوسری طرف دل پر ادب کا اس قدر

تسلط ہے کہ تعمیلِ حکم کے لیے نہ ہاتھ یاری دیتے ہیں نہ پاؤں میں حرکت ہوتی ہے۔ آخران دونوں صدیقوں کوادب کی شہ پر وہی کرنا پڑتا ہے جوادب کا مقتضاء تھا۔اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب نصِ قطعی کے مقابلہ میں ادب ہی کو ترجیح ہوئی تو دین میں ادب کا مقام کتنا بلند ہے؟''

﴿انوارِ احمدی ٔص:232﴾

﴿ایک ہی شیوۂ ادب متعدد اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا﴾

● دلائل النبوۃ میں حضرت قباث لیثی رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ روایت نقل کی گئی ہے جن کی ولادت حضور ﷺ سے پہلے ہوئی تھی کہ کسی نے اُن سے دریافت کیا: ﴿اَنْتَ اَکْبَرُ اَمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ؟﴾ آپ بڑے ہیں یارسول اللہ ﷺ؟

انہوں نے جواب دیا: ﴿ھُوَ اَکْبَرُ مِنِّیْ وَاَنَا اَسَنُّ مِنْہُ﴾ بڑے تو وہی ہیں البتہ میری عمر زیادہ ہے۔

● اسی طرح کی روایت دلائل النبوۃ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے متعلق بھی نقل کی گئی۔ان سے بھی کسی نے یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی جواب میں کہا: ﴿ھُوَ اَکْبَرُ مِنِّیْ وَاَنَا اَقْدَمُ مِنْہُ فِی الْمِیْلَادِ﴾ بڑے تو وہی ہیں صرف میری پیدائش ان سے پہلے ہے۔

● اسی طرح کا شیوۂ ادب ابن عساکر اور ابن نجار نے حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ان سے بھی کسی نے پوچھا تھا: ﴿اَنْتَ اَکْبَرُ اَمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ؟﴾ آپ بڑے ہیں یارسول پاک ﷺ؟

تو انہوں نے بھی جواب میں یہی کہا تھا: بڑے وہی ہیں میں صرف پہلے پیدا ہوا ہوں۔

● اسی طرح کی روایت صاحبِ کنز العمال نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی نقل فرمائی ہے کہ ایک موقع پر حضور اکرم ﷺ نے خود اُن سے دریافت کیا: میں بڑا ہوں یا تم بڑے ہو؟ تو اُنہوں نے کمالِ ادب سے جواب دیا: ﴿اَنْتَ اَکْبَرُ وَاَکْرَمُ وَاَنَا لَا سَنُّ مِنْکَ﴾ آپ ہی بڑے اور بزرگ ہیں میری تو صرف عمر زیادہ ہے۔

اب ان ساری روایات کے ذیل میں حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے نورانی احساسات کے اُفق پر عشق و ایمان کی طلوع ہوئی صبحِ صادق کا یہ منظر دیکھیے۔تحریر فرماتے ہیں: ''اب اس ادب کو دیکھیے کہ باوجود یہ کہ اس موقع میں لفظ اکبر اور اسن دونوں کے ایک ہی معنی ہیں مگر اس لحاظ سے کہ لفظ اکبر مطلق بزرگی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔صراحۃً اس کی نفی کر دی اور مجبوراً لفظ اسن کا ذکر کیا۔کیونکہ صراحۃً مقصود پر دلالت کرنے والا سوائے اِس کے اور کوئی لفظ نہ تھا۔پھر قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جن کی تعظیم و تکریم خود آنحضرت ﷺ کیا کرتے تھے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو بارگاہِ رسالت کے سب سے مقرب اور معتمد کہے جاتے ہیں جب ان حضرات کا ادب میں یہ حال ہو تو ہم لوگوں کو کس قدر ادب کا لحاظ رکھنا چاہیے؟''

﴿انوارِ احمدی ٔص:236﴾

﴿عام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا شیوۂ ادب﴾

صحابہ کرام کو نبی پاک ﷺ کے ساتھ کیسی والہانہ عقیدت و محبت تھی اس کے ثبوت میں مصنف کتاب نے کفارِ قریش کے ایک نمائندے کی زبانی جو ولولہ انگیز شہادت پیش کی ہے وہ اہلِ ایمان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور جذبہ شوق کی اُمنگوں کے

لیے ایک نوید جانفزا ہے۔

● راویانِ حدیث بیان کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر صنادید قریش نے عُروہ نام کے ایک جہاندیدہ شخص کو حالات کا جائزہ لینے کے لیے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا اور وادیٔ حدیبیہ میں جان نثاری اور والہانہ جذبۂ وارفتگی کے بھی اس نے مناظر دیکھے۔ جب وہ واپس لوٹ کر مکہ گیا تو صنادید قریش کے سامنے جن الفاظ میں اس نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا' وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ اس نے کہا: "اے میری قوم! قسم ہے کعبہ کے پروردگار کی کہ میں نے اپنی زندگی میں بہت سے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں۔ قیصر و کسریٰ جیسے سطوت و جبروت والے سلاطین کی پیش گاہوں میں بھی گیا ہوں لیکن جس والہانہ محبت کے ساتھ محمد کے اصحاب' محمد کی تعظیم کرتے ہیں اس کی مثال میں نے کسی بادشاہ کے دربار میں نہیں دیکھی۔ میں نے دیکھا کہ جب وہ اپنی ناک صاف کرتے ہیں تو اُن کے اصحاب اُسے اپنی ہتھیلیوں پر لے لیتے ہیں اور اُسے اپنے جسم اور منہ پر ملتے ہیں اور جب وہ کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو اس کی تعمیل کے لیے ہر شخص ایک دوسرے پر سبقت کرتا ہے۔ جب وہ وضو کرتے ہیں تو اعضائے وضو سے جو پانی ٹپکتا ہے' اسے حاصل کرنے کے لیے صحابہ اس طرح ایک دوسرے پر گرتے ہیں کہ جیسے جنگ و جدال کی نوبت آ جائے گی۔ صحابہ کے دلوں پر محمد کی ایسی ہیبت چھائی رہتی ہے کہ کوئی آنکھ بھر کر اُنہیں نہیں دیکھ سکتا۔"

﴿مواهب اللدنیه﴾

اس واقعہ میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ صحابہ کرام کو حضور ﷺ نے حکم دیا تھا کہ جب میں ناک صاف کروں تو اُسے اپنے ہاتھ پر لے کر

اپنے چہرے اور جسم پر مل لیا کرو۔ جب میں وضو کے لیے بیٹھوں تو آشفتہ حال پروانوں کی طرح میرے گرد جمع ہو جایا کرو اور قبل اس کے کہ میرے اعضائے وضو سے ٹپکتا ہوا پانی زمین پر گرے تم اُسے اپنے ہاتھوں پر روک لو اور اپنے چہرے اور جسم پر ملو۔ بلکہ یہ سارا ہنگامۂ شوق صحابہ کرام کا خود اپنا برپا کیا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے نہ خدا کا کوئی حکم تھا' نہ رسول کا جو کچھ بھی تھا وہ خود ان کے ایمان بالرسول کا تقاضا تھا جس کے سمجھنے میں نہ ان سے کوئی غلطی سرزد ہوئی اور نہ نفس کی کوئی شرارت درمیان میں حائل ہو سکی۔

یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ حضور ﷺ کے حکم کے بغیر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے والہانہ جذبے کا یہ مظاہرہ اگر حرام و ناجائز ہوتا تو حضور ﷺ یقیناً اپنے صحابہ کرام کو اس سے روک دیتے لیکن حدیث کی کتابوں میں ایسی کوئی روایت نہیں ملتی کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس طرح کے اظہارِ عقیدت سے منع فرمایا ہو۔

ان ساری باتوں سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے تو حضور ﷺ نہ بھی حکم دیں' جب بھی عقیدت و تعظیم کا تقاضا پورا کرنا صحابہ کرام کی سنت ہے۔ دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ تعظیم و عقیدت کا وہ عمل جو کسی حکمِ منصوص سے متصادم نہ ہو' حضور ﷺ کی طرف سے اس کی عام اجازت ہے۔

● مستدرک اور حاکم میں حضرت عبداللہ ابنِ بریدہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ ہم لوگ حضور انور ﷺ کے دربار میں جب حاضر ہوتے تھے تو فرطِ ادب سے کوئی سر نہیں اُٹھا سکتا تھا۔ مستدرک ہی میں حضرت عبدالرحمٰن ابنِ قرط رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں مسجد نبوی شریف میں حاضر

ہوا۔ دیکھا کہ لوگ حلقہ بنا کر اس طرح ساکت و جامد بیٹھے ہیں کہ گویا اُن کی گردنوں پر سر ہی نہیں ہیں۔ قریب جا کر دیکھا تو ان کے بیچ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں اور حضور ﷺ کی حدیث بیان کر رہے ہیں۔

اب ان حدیثوں کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے یہ رُوح پرور تاثرات ملاحظہ فرمایئے۔ تحریر فرماتے ہیں: ''اب ذرا زمانے کا انقلاب دیکھیے کہ اس نے ان حضرات کے مسلک سے ہمیں کتنا دُور کر دیا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو معاملہ بالکل برعکس ہو گیا ہے۔ ان کے قلوب ایسے مؤدب و مہذب تھے کہ قسم قسم کے آداب اور حسنِ عقیدت پر دلالت کرنے والے طرح طرح کے طریقے وہ خود اپنی طبیعت سے ایجاد کر لیتے تھے اور اصولِ شرعیہ پر اُنہیں مُنطبق کر لیتے تھے، جس کا سمجھنا بھی شاید اس زمانے میں بآسانی نہ ہو سکے۔ غرض وہ ہر قسم کا ادب ایجاد کرتے تھے اور اُن پر کوئی اعتراض بھی نہیں کرتا تھا۔ اس لیے کہ اس وقت تک بے ادبی کی بنیاد نہیں پڑی تھی۔ خیر القرون کا یہ حال تھا اور اب آخری زمانے کا یہ حال ہے کہ ان حضرات کے اتباع میں اگر کسی سے اس قسم کے افعال صادر ہو جائیں تو ہر طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ شروع ہو جاتی ہے۔ صرف اعتراض ہی نہیں بلکہ شرک تک نوبت پہنچا دی جاتی ہے۔ حق تعالیٰ ہم مسلمانوں کو ادب نصیب فرمائے۔'' ﴿انوارِ احمدی، ص:245﴾

● **حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا شیوۂ ادب:**

بخاری شریف میں حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ شریف کی کسی گلی سے گزر رہے تھے کہ اچانک حضور نبی پاک ﷺ

کا سامنا ہو گیا۔ آپ کو دیکھتے ہی وہ چھپ گئے۔ جب تھوڑی دیر کے بعد حاضرِ خدمت ہوئے تو حضور ﷺ نے ان سے چھپنے کی وجہ دریافت کی؟ انہوں نے عرض کیا: مجھے اس وقت غسل کی حاجت تھی۔ اس حالت میں مجھے آپ کے سامنے آنا خلافِ ادب محسوس ہوا۔ یہ سُن کر آپ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! مؤمن نجس نہیں ہوتا۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ایمان افروز بیان پڑھیے۔ تحریر فرماتے ہیں: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو اِس حالت میں الگ ہوئے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کمال درجہ کی عظمت حضرت کی اُن کے دل میں تھی جس نے اُن کی عقل کو مقہور کر کے اُن کے دل کو اِس ادب پر مجبور کر دیا تھا۔ آخر وہ بھی جانتے تھے کہ جنابت کا جسم میں سرایت کرنا امرِ حکمی ہے حسّی نہیں ہے کہ دوسرے کو اس سے کراہت محسوس ہو اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کا اثر دوسرے تک متعدی نہیں ہو سکتا۔

ہر چند آنحضرت ﷺ نے مسئلہ شرعیہ بیان فرما دیا کہ مسلمان نجس نہیں ہوتا مگر کلام اس میں ہے کہ اس حالت میں حاضر ہونے سے کون سی چیز اُنہیں مانع ہوئی؟ سوا اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ صرف فرطِ ادب کی وجہ سے وہ حاضر نہ ہو سکے۔ اگر ان کا یہ فعل حضور ﷺ کو ناگوار ہوتا تو آپ صراحت کے ساتھ انہیں منع فرما دیتے کہ آئندہ وہ اس غلطی کا اعادہ نہ کریں لیکن حضور ﷺ اس نکتہ سے واقف تھے کہ مؤمن کا نجس نہ ہونا تقاضائے ادب کے لیے مانع نہیں ہے۔'' ﴿انوارِ احمدی، ص:242﴾

● **حضرت براء ابنِ عازب رضی اللہ عنہ کا شیوۂ ادب:**

سُنن ابی داؤد میں حضرت عبد ابنِ فیروز رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا:

میں نے ایک دن حضرت براؓ ابنِ عازب ؓ سے دریافت کیا کہ کن کن جانوروں کی قربانی ناجائز ہے؟

انہوں نے کہا: حضور ﷺ ایک دن ہمارے سامنے خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور خطبہ کے دوران اپنی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اور میری انگلیاں حضور ﷺ کی انگلیوں سے چھوٹی ہیں۔ اتنا کہنے کے بعد اب حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا: چار جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے۔ ایک وہ جس کی آنکھ پھوٹی ہو' دوسرا وہ جو سخت بیمار ہو' تیسرا وہ جس کا لنگڑا ہونا ظاہر ہو اور چوتھا وہ جو نہایت لاغر ہو۔

اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف ؒ کے یہ گراں مایہ احساسات ملاحظہ فرمائیں: ''حضور ﷺ نے اپنے خطبہ کے دوران اپنی چار انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: چار جانوروں کی قربانی جائز نہیں۔ حضرت براؓ ؓ کو ان کے شیوۂ ادب نے اجازت نہیں دی کہ حضور ﷺ کے دستِ مبارک کی حکایت اپنے ہاتھ سے کریں۔ اس لیے درمیان میں انہوں نے سلسلۂ کلام کو توڑ دیا اور جملۂ معترضہ کے طور پر کہا: میری انگلیاں چھوٹی ہیں جنہیں حضور ﷺ کی انگلیوں سے کچھ نسبت نہیں ہے۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ چار کا اشارہ ہاتھ سے کرنے میں مقصود صرف تعیینِ عدد ہے۔ نہ بظاہر اس میں کسی طرح کی مساوات کا شائبہ ہے اور نہ سوءِ ادب! لیکن اس کے باوجود صحابی کے شیوۂ ادب نے دستِ مبارک کی حکایت کو بھی گوارا نہ کیا جس سے تشبیہ لازم آتی تھی۔ اہلِ ایمان کے لیے یہ بات بھی ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ باوجود یہ کہ حضور ﷺ نے صحابہ کو حکم نہیں دیا تھا کہ وہ اس طرح کا ادب کریں لیکن ان کا

شیوۂ ادب خود ایمان کا تقاضا محسوس کر لیتا تھا۔'' ﴿انوارِ احمدی' ص: 237﴾

● حضرت اسلع ابنِ شریک ؓ کا شیوۂ ادب:

امام طبرانی نے اسلع ابنِ شریک ؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں سفر میں حضور ﷺ کی اونٹنی پر کجاوہ باندھا کرتا تھا جس پر آپ تشریف رکھتے تھے۔ ایک رات سفر میں مجھے نہانے کی حاجت ہوگئی۔ اسی دوران میں حضور ﷺ نے کوچ کا ارادہ فرمایا۔ اب میں بہت کش مکش میں مبتلا ہوگیا کہ کیا کروں؟ ایک طرف سخت سردی کی رات میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرتے ہوئے ہلاکت یا بیماری کا خطرہ لاحق تھا۔ دوسری طرف کسی طرح طبیعت کو یہ گوارا نہ تھا کہ ناپاکی کی حالت میں حضور ﷺ کے کجاوہ کو ہاتھ لگاؤں' بالآخر میں نے ایک انصاری سے کہا۔ انہوں نے اُس دن کجاوہ باندھنے کی سعادت حاصل کی۔

قافلہ روانہ ہو جانے کے بعد میں نے کسی طرح پانی گرم کیا اور غسل کرنے کے بعد تیز تیز چل کر قافلہ سے جا ملا۔ حضور ﷺ نے مجھے دیکھا تو فرمایا: آج کیا بات ہے کہ میری اونٹنی کا کجاوہ کچھ بدلا ہوا سا معلوم ہوتا ہے؟ میں نے عرض کیا: مجھے نہانے کی حاجت پیش آ گئی تھی' اس لیے مجھے گوارا نہ ہوا کہ اس حالت میں آپ کے کجاوہ کو ہاتھ لگاؤں۔ مجبوراً اپنے ایک ساتھی سے درخواست کی اور آج اس نے کجاوہ باندھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ حضرت اسلع ابنِ شریک ؓ کہتے ہیں کہ اسی موقع پر وہ مشہور آیت نازل ہوئی جس میں سفر کی حالت میں غسلِ جنابت کے لیے تیمم کی اجازت دی گئی ہے۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف ؒ کے یہ گرانمایہ کلمات

ملاحظہ فرمائیے: ''سبحان اللہ! کیا ادب تھا کہ جس کجاوہ میں آنحضرت ﷺ تشریف رکھتے تھے اُس کی لکڑیوں کو حالتِ جنابت میں ہاتھ لگانا گوارا نہ ہوا۔ اگر بچشمِ انصاف دیکھا جائے تو منشاء اس کا محض ایمان دکھائی دے گا۔ جس نے ایسے پاکیزہ خیالات ان حضرات کے دلوں میں پیدا کر دیے تھے۔ اب اگر کوئی شخص اپنی نسبت تحقیقی ایمان کا دعویٰ کر کے یہ کہے کہ یہ خیالات ایامِ جاہلیت کے ہوں گے تو مجھے یقین نہیں آتا کہ کوئی ایماندار شخص اس کلام کی طرف التفات کرے گا۔ کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ چودھویں صدی والا خوش اعتقادی میں خیر القرون والے صحابیوں سے بڑھ جائے۔ پھر اگر بات بڑھائی جائے تو یہ سلسلہ وہاں تک پہنچ جائے گا جہاں سب کی زبان بند ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جس بات کا ذکر خود شارع علیہ السلام کے حضور میں ہو جائے اور اسی کے بعد صورتِ حال کی مناسبت سے قرآن کی آیت بھی نازل ہو جائے تو اب اس فعل کے قابلِ تحسین ہونے میں کیا شبہ ہے؟ الحاصل جب ان لکڑیوں کا اس قدر ادب کیا گیا تو بزرگانِ دین کا جس قدر ادب کیا جائے محمود ہی محمود ہے۔'' ﴿انوارِ احمدی' ص: 244﴾

● حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا شیوۂ ادب:

بخاری شریف میں اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے' وہ فرماتی ہیں کہ حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا کی عادت تھی کہ وہ حضور ﷺ کا نام لیتے وقت ﴿فداہ ابی وامی﴾ کہا کرتی تھیں۔ یعنی میرے ماں باپ حضور پر فدا ہوں۔ یہی شیوۂ ادب اکثر صحابہ کا بھی تھا۔ آپ ﷺ کی حیاتِ ظاہری میں بھی اور وصال شریف کے بعد بھی۔

اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''سبحان

اللہ! کیا ادب تھا کہ رُوبرو تو رُوبرو غائبانہ بعد وفات شریف بھی وہ ادب ملحوظ ہوتا تھا کہ جب تک اپنے ماں باپ کو فدا نہیں کر لیتے تھے صحابہ کرام حضور ﷺ کا نام مبارک نہیں لیتے تھے۔'' ﴿انوارِ احمدی' ص: 252﴾

● حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا شیوۂ ادب:

درمنظم میں ابنِ حجر ہیتمی نے اور کتاب الشفاء میں قاضی عیاض نے ابنِ حمید سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ ایک بار خلفائے عباسیہ کے سلسلے کے دوسرے خلیفہ ابو جعفر منصور کے ساتھ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا کسی مسئلہ میں مباحثہ ہوا۔ گفتگو مسجد نبوی شریف کے صحن میں ہو رہی تھی۔ اثنائے گفتگو میں ابو جعفر منصور کی آواز بلند ہو گئی۔ اس پر حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: اے امیر المؤمنین! اس مسجد میں آواز بلند مت کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آواز بلند کرنے پر اُن لوگوں کی تنبیہ فرمائی جو آپ سے کہیں بہتر تھے۔ ان لوگوں کی مدح سرائی کی جو حضور اکرم ﷺ کی جناب میں اپنی آواز پست رکھتے تھے اور اُن لوگوں کی مذمت کی جو حجرہ شریف کے باہر سے باآوازِ بلند پکار رہے تھے۔ حضور اکرم سیّد عالم ﷺ کے ادب و احترام کا یہ حکم جس طرح حضور ﷺ کی حیاتِ ظاہری میں تھا' اسی طرح آج بھی ہے۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد سنتے ہی خلیفہ ابو جعفر منصور کی گردن فرطِ ادب سے جھک گئی۔ پھر اس نے حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: حضور ﷺ کے مواجہہ شریف میں دعا کرتے وقت قبلہ کی طرف رُخ کروں یا حضور کی طرف؟ فرمایا: اس ہستی کی طرف سے اپنا منہ مت پھیریے جو قیامت کے دن آپ اور آپ کے

باپ حضرت آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں۔ اس لیے آپ حضور ﷺ ہی کی طرف مُنہ کر کے اُن سے شفاعت وسفارش طلب کیجیے کیونکہ خداوند قدوس نے انہی کی سفارش پر مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے یہ گرانقدر افادات ملاحظہ فرمایئے۔ تحریر فرماتے ہیں: "اب ان حضرات کے اعتقادات کو دیکھیے کہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے آواز بلند کرنے کے سلسلے میں سورۂ حُجرات کی جن آیات سے استدلال کیا اس کے متعلق خلیفۂ وقت نے پوچھا تک نہیں کہ ﴿فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ﴾ اور ﴿یُنَادُوْنَکَ﴾ کے معنی یہاں کیونکر صادق آتے ہیں؟ پھر یہ بھی نہ تھا کہ خلیفہ موصوف جاہل تھا بلکہ نہایت کامل العقل اور فقیہ النفس عالم جید تھا۔ مگر امام مالک رضی اللہ عنہ کے استدلال میں اس درجہ قوت تھی کہ خلیفہ ساکت ومبہوت رہ گیا۔ اگر اس زمانے میں کوئی شخص اس قسم کا استدلال کرے تو صد ہا شاخسانے اس میں نکالے جائیں گے۔ دوسری طرف حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا مقام علم وفضل اتنا بلند ہے کہ ان کے شاگردوں کے شاگرد ہونے پر امام بخاری، امام مسلم اور اکابر محدثین کو فخر ہے۔

اب اگر کوئی شخص اس استدلال کی نزاکت کو نہ سمجھ کر اس میں کچھ کلام کرے تو کسی مسلمان سے یہ نہ ہو سکے گا کہ معترض کی رائے کو امامِ مالک کی رائے پر ترجیح دے کیونکہ امام مالک وہ شخص ہیں کہ جن کے شاگردوں کا شاگرد ہونے پر امام بخاری، امام مسلم اور اکابر محدثین کو فخر ہے۔ پھر اگر کوئی کثرتِ تصانیف کو پیش کر کے حضور ﷺ کے بارے میں کوئی غلط دعویٰ کرے تو اس کا ابطال اُن احادیث شریفہ سے ہو جائے گا

جن میں خیر القرون ہونا اُس زمانے کا اور کم ہو جانا علم کے آخری زمانے میں وارد ہے۔

مسجد نبوی شریف کے آداب ہی کے سلسلے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سائب ابنِ یزید رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ میں ایک بار مسجد نبوی شریف میں کھڑا تھا کہ مجھے کسی نے کنکری ماری، میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔ جب میں ان کے قریب پہنچا تو انہوں نے مجھ سے کہا: وہ سامنے جو آدمی بیٹھے ہیں اُنہیں میرے پاس بلا کر لاؤ۔ جب میں اُن دونوں کو ان کے پاس لے گیا تو انہوں نے پوچھا: تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ فرمایا: اگر تم مدینے کے ہوتے تو میں تمہیں ضرور سزا دیتا۔ تم حضور ﷺ کی مسجد میں بلند آواز سے بات کرتے ہو۔"

﴿انوارِ احمدی، ص: 251﴾

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت مصنف کے یہ گرانقدر افادات ملاحظہ فرمایئے۔ ارشاد فرماتے ہیں: "اس حدیث سے ظاہر ہے کہ مسجد شریف میں کوئی آواز بلند نہیں کر سکتا تھا۔ اگر کوئی کرتا تو مستحقِ تعزیر سمجھا جاتا۔ باوجود یہ کہ سائب ابنِ یزید رضی اللہ عنہ چنداں دُور نہ تھے۔ لیکن اسی ادب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں پکارا نہیں بلکہ کنکری پھینک کر انہیں اپنی طرف متوجہ کیا۔ یہ تمام آداب اسی وجہ سے تھے کہ آنحضرت ﷺ حیاتِ ابدی وہاں تشریف رکھتے تھے۔ کیونکہ لحاظ اگر صرف مسجد ہونے کا ہوتا ﴿فِیْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ﴾ (یعنی رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں) کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اس تعزیر کو اہلِ مدینہ کے لیے خاص فرمایا جنہیں مسجد شریف

کے آداب بخوبی معلوم تھے۔ اگر مسجد ہی کا لحاظ ہوتا تو اہلِ طائف بھی معذور نہ رکھے جاتے کیونکہ آخر وہاں بھی تو مسجدیں تھیں۔ یہیں سے وہ بات بھی ثابت ہوگئی جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ منصور سے کہا تھا کہ حضور ﷺ کی عزت وتکریم وصال شریف کے بعد بھی ویسی ہی فرض ہے جیسی حیاتِ ظاہری میں تھی۔" ﴿انوارِ احمدی، ص: 251﴾

● حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا شیوۂ ادب:

حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تنزیھہ الانبیاء میں امام سبکی کی کتاب التوشیح سے نقل کیا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بعض تصانیف میں وہ واقعہ نقل کیا ہے جو حضورِ انور ﷺ کے زمانہ پاک میں واقع ہوا تھا کہ کسی شریف عورت نے کچھ چرایا تھا اور حضور ﷺ نے چوری کی سزا میں اُس کے ہاتھ کاٹنے کا ارادہ فرمایا۔ اس پر کسی صاحب نے حضور ﷺ سے سفارش کی۔ اس موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا: اگر فلاں عورت بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹنے کا حکم صادر کرتا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اندازِ بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت امام سبکی نے لکھا ہے کہ امام شافعی کا ادب دیکھو کہ حدیث شریف میں اس مقام پر حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نام نہایت صراحت کے ساتھ مذکور ہے اگر بعینہٖ حدیث نقل کر دیتے تو کوئی بے موقع بات نہیں تھی لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ازراہِ کمالِ ادب ان کا نام نہیں لیا بلکہ نام کی جگہ فلاں عورت کہا۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ باوقار تبصرہ ملاحظہ فرمائیے۔ تحریر فرماتے ہیں: "سبحان اللہ! کیا ادب تھا۔ حالانکہ الفاظِ حدیث کو بعینہٖ نقل کرنا

ضروری سمجھا جاتا ہے اور سیدہ کا نام مبارک جو حدیث میں وارد ہے وہ ﴿لَو﴾ (اگر) کے ساتھ ہے۔ جس کا اطلاق کسی محال چیز پر برسبیلِ فرضِ محال ہوتا ہے مگر بایں ہمہ چونکہ حدیث شریف میں وہ مقامِ توہین میں وارد تھا اس لیے ادب نے اجازت نہ دی کہ اس نامِ مبارک کو صراحۃً ذکر کریں۔ سچ کہا ہے لوگوں نے کہ جو مقربینِ بارگاہ ہوتے ہیں اُنہی کو ادب نصیب ہوتا ہے ہر کس وناکس میں یہ صلاحیت کہاں؟"

﴿انوارِ احمدی، ص: 233﴾

● حضرت ابو ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ کا شیوۂ ادب:

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفاء شریف میں لکھا ہے کہ کسی نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت ابو ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ کا کیا حال تھا؟ انہوں نے جواب دیا: میرے اساتذہ میں وہ سب سے افضل تھے۔ انہوں نے دو حج کیے اور میں دونوں بار ان کے ساتھ تھا۔ سفر کے دوران جب بھی ان سے کسی حدیث کی روایت سنی تو حضور ﷺ کے ساتھ ان کی والہانہ محبت کا یہ عالم دیکھا کہ جب وہ حضور ﷺ کا ذکر کرتے تو اس قدر روتے کہ مجھے ان کے حال پر رحم آنے لگتا۔ ان کی یہ والہانہ کیفیت دیکھ کر میں نے ان کی شاگردی اختیار کر لی۔

اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی غیرتِ ایمانی کا جلوہ ملاحظہ فرمائیے۔ تحریر فرماتے ہیں: "سبحان اللہ! وہاں تو ذکر شریف سے وہ حالت پیدا ہو جائے کہ بڑے بڑے معاصرین سے انہیں افضل بنا دے اور یہاں ہنوز اس کے جواز وعدم جواز میں اختلاف پڑا ہوا ہے۔ بلکہ وہ تدبیریں نکالی جاتی ہیں کہ ذکر شریف

کی مجالس ہی نہ منعقد ہونے پائیں۔ ذرا سوچنے کی بات ہے کہ ذکر شریف کی مجلسیں ہوا کریں اور اس کی برکتوں سے مسلمان فیض یاب ہوتے رہیں تو اس سے کسی کا کیا نقصان ہے؟"

﴿انوارِ احمدی، ص: 247﴾

● جانوروں کا شیوۂ ادب:

سننِ احمد اور نسائی کے حوالہ سے مواہب اللدنیہ میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں کسی انصاری کے پاس ایک اونٹ تھا جس کے ذریعہ وہ اپنے باغ میں پانی دیا کرتے تھے۔ ایک بار اُس کا دماغ خراب ہو گیا اور ایسا بگڑا کہ کوئی اس کے قریب نہیں جا سکتا تھا۔ اسی درمیان میں وہ انصاری ایک دن حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُس کے بگڑنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ پانی نہ ملنے کی وجہ سے کھیت اور باغ مرجھا رہے ہیں۔

یہ قصہ سن کر حضور ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ اس باغ میں تشریف لے گئے۔ جب آپ اونٹ کی طرف بڑھنے لگے تو انصاری نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ اونٹ پاگل کتے کی طرح خطرناک ہو گیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ پر حملہ نہ کر دے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ﴿لَیْسَ عَلَیَّ مِنْهُ بَأْسٌ﴾ مجھے اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں کہ جونہی اونٹ نے حضور ﷺ کو اپنی طرف تشریف لاتے ہوئے دیکھا تو وہ تیزی سے دوڑا اور آپ کے آگے سجدہ ریز ہو گیا۔ حضور ﷺ نے اس کی پیشانی کے بال پکڑے جس سے وہ بالکل مسخر ہو گیا۔

یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ ان کی روایت میں بیانِ واقعہ کے بعد میں اتنا اضافہ ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے اونٹ کا سجدہ ریز ہونا دیکھ کر صحابہ نے عرض کیا: حیوانات و بہائم کے مقابلے میں ہمیں زیادہ حق پہنچتا ہے کہ ہم آپ کو سجدہ کریں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ کسی بشر کو جائز نہیں کہ وہ بشر کو سجدہ کرے۔

اس حدیث کے ذیل میں فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شاندار تبصرہ پڑھیے: "جس کے پاس عقلِ سلیم اور فہمِ مستقیم ہو تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ کس قدر عظمت آنحضرت ﷺ کی صحابہ کرام کے پیشِ نظر تھی کہ وہ حضور ﷺ کو سجدہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے جس میں کمال درجہ کا تذلل ہے۔"

﴿انوارِ احمدی، ص: 188﴾

عبارت کا یہ ٹکڑا بھی چشمِ بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے: "آنحضرت ﷺ کی اِسی قسم کی عظمت جیسی صحابہ کے دلوں میں تھی، ایک مدت تک مسلمانوں کے قلوب میں رہی مگر افسوس کہ چند روز سے پھر وہی مساوات کا خیال آخری زمانے کے بعض لوگوں کے سروں میں سمایا اور گویا یہ فکر شروع ہوئی کہ وہ سب باتیں جو کفار و مشرکین کیا کرتے تھے تازہ ہو جائیں۔ کبھی ﴿اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ میں غور و خوض ہوتا ہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ ہم لوگوں کو حضرت نے بھائی کہا ہے، اس لیے حضرت بڑے بھائی ہوئے۔ اب اس خیال نے یہاں تک پہنچا دیا کہ وہ آیات و احادیث منتخب کی جاتی ہیں جن سے ان کے زعم میں منقصتِ شان نکلتی ہے اور وہ احادیث جن میں آنحضرت ﷺ نے براہِ تواضع کچھ کہا ہے، آپ کی کسرِ شان کے لیے بیان کی جاتی ہیں۔"

﴿انوارِ احمدی، ص: 190﴾

☆☆☆



ساتواں باب

اسمِ رسول ﷺ کی فضیلت وتوقیر

جس طرح حضور ﷺ کے وجود باجود کی تعظیم وتکریم ایمان کا مقتضیٰ ہے' اسی طرح حضور ﷺ کے نامِ پاک کی تعظیم وتوقیر کا بھی حکم وارد ہوا ہے۔ جیسا کہ صاحبِ کنزالعمال نے نامِ پاک کی تعظیم وتکریم سے متعلق پانچ حدیثیں نقل فرمائی ہیں جو درج ذیل ہیں:

﴿اسمِ گرامی کی تعظیم واَدب کے حوالے سے احادیث مبارکہ﴾

❶ پہلی حدیث: حضور ﷺ کے نام پر اَولاد کا نام رکھنا:

حضرت بزار رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے' وہ روایت کرتے ہیں حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے' انہوں نے کہا: حضور ﷺ نے فرمایا: جب تم اپنے بچے کا نام ''محمد'' رکھو تو اُسے مارو مت اور اُسے محروم نہ کرو۔

❷ دوسری حدیث: آپ ﷺ کے نام والے بچوں کا احترام:

حضرت مولائے کائنات علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب تم اپنے بچے کا نام ''محمد'' رکھو تو اُس کی تعظیم وتوقیر کرو اور جب وہ مجلس میں پہنچ جائے تو اسے بیٹھنے کی جگہ دو۔

❸ تیسری حدیث: آپ ﷺ کے نام والے بچوں کو محروم نہ کرنا:

حضرت دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب تم اپنے بچے کا نام ''محمد'' رکھو تو اُسے محروم مت کرو کیونکہ ''محمد'' کے نام میں برکت دی گئی ہے یہاں تک کہ اس گھر میں بھی برکت دی گئی ہے' جس میں ''محمد'' نام کا کوئی شخص رہتا ہو۔

❹ چوتھی حدیث: آپ ﷺ کے نام والے بچے کو گالیاں بکنے سے اجتناب کرنا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کس قدر افسوس کی

بات ہے کہ تم اپنے بچے کا نام "محمد" بھی رکھتے ہو اور اُسے گالیاں بھی دیتے ہو۔

⑤ پانچویں حدیث: آپ ﷺ کے نام والے بچے کو ملعون نہ بنانا:

پانچویں حدیث بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے، جس میں حضور ﷺ نے فرمایا: تم اپنے بچے کا نام "محمد" بھی رکھتے ہو اور اُس پر لعنت بھی بھیجتے ہو۔

حضرت فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ ان پانچوں حدیثوں کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں: "الحاصل یہ پانچوں روایتیں کنز العمال میں ہیں۔ ان تمام روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ نام مبارک کی تعظیم و اَدب کے ساتھ ساتھ نام والے کا بھی ادب و احترام کرنا چاہیے۔" ﴿انوارِ احمدی، ص:265﴾

﴿تعظیم نامِ محمد ﷺ کا ایک ایمان افروز واقعہ﴾

حضرت ابو نعیم نے اپنی کتاب حِلیہ میں حضرت وہب ابنِ منبہ رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نہایت بدکار شخص تھا۔ اس نے سو برس تک خدا کی ایسی ایسی نافرمانی کی اور خدا کی مخلوق پر ایسے ایسے ظلم ڈھائے کہ لوگ اس سے نفرت کرنے لگے۔ جب اس کا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے اس کے ظلم و شقاوت اور بدکاریوں کی وجہ سے اُسے اِس لائق بھی نہیں سمجھا کہ اُسے عزت و اکرام کے ساتھ دفن کریں۔ چنانچہ نہایت حقارت و ناقدری کے ساتھ لوگوں نے اس کی لاش کو ایک کوڑے خانے پر لا کر پھینک دیا جہاں گاؤں بھر کی نجاست و غلاظت ڈالی جاتی تھی۔

وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ تھا۔ خداوندِ ذوالجلال کی طرف سے انہیں حکم صادر ہوا کہ فلاں گاؤں کے کوڑے خانے پر ایک شخص کی لاش پڑی ہوئی ہے، اُسے وہاں

سے اُٹھا کر عزت و تکریم کے ساتھ فوراً کسی قبرستان میں دفن کرو۔

وہاں پہنچنے کے بعد جب لوگوں کے ذریعے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس شخص کی سیاہ کاریوں اور ظلم و شقاوت کی تفصیل معلوم ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوندِ قدوس کی جناب میں عرضی پیش کی کہ گاؤں کے سارے لوگ گواہی دے رہے ہیں کہ یہ شخص سو برس کی طویل مدّت تک تیری نافرمانی کرتا رہا، یہ اپنے زمانے کا بدترین شخص تھا اور یہ کسی عزت و تکریم کے لائق نہیں ہے۔ ارشادِ خداوندی ہوا: لوگ سچ کہتے ہیں لیکن اس کی صرف ایک خوبی کی وجہ سے میں نے اس کے سارے گناہ بخش دیے اور جنت کی ستر حوروں کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا۔ وہ خوبی یہ تھی کہ جب بھی وہ تورات کھولتا تو نام "محمد" کو بوسہ دیتا، آنکھوں سے لگاتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس عنایتِ بیکراں پر حیران رہ گئے۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے یہ گرانقدر کلمات ملاحظہ فرمائیے۔ تحریر فرماتے ہیں: "اگر اس اَدب کی وقعت کا خیال کیا جائے تو حق تعالیٰ کو غضب میں لانے والے عمر بھر کے اعمال پر سبقت کر کے سب کو بخشوا لینا اسی کا کام تھا۔ غرض کہ جب ادب کا یہ رتبہ ہو کہ گزشتہ امت والوں کو اس خوبی کے ساتھ سرفراز کرے تو ہم خاص غلاموں کو اس سے کس قدر توقع ہو گی؟ اس پر بھی اگر نام مبارک کو دیکھ کر اور سُن کر بھی بوسہ نہ لیں تو اتنا ضرور چاہیے کہ حق تعالیٰ سے اس کی توفیق طلب کریں۔" ﴿انوارِ احمدی، ص:266﴾

☆☆☆☆☆

آٹھواں باب

مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسمِ گرامی سن کر انگوٹھے چومنے کا مسئلہ

خیر الانام ﷺ کا نام پاک سُن کر انگوٹھا چومنا اور آنکھوں سے لگانے کے مستحب ہونے پر حضرت فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی یہ ایمان افروز بحث دل کی گہرائی سے پڑھیے کہ وہ بیماروں کی شفایابی اور صحت مندوں کی تقویت کا باعث ہے۔ بحث کا خلاصہ یہ ہے:

● **بوقتِ اذان حضور اکرم ﷺ کا اسم گرامی چوم کر آنکھوں پر لگانا:**

تفسیر روح البیان میں قہستانی، شرح کبیر، محیط اور قوت القلوب وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ جب مؤذن پہلی بار ﴿اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ کہے تو سننے والوں کو چاہیے کہ وہ ﴿صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ کہیں۔ جب دوسری بار ﴿اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ کہے تو سننے والوں کو چاہیے کہ انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھ کر ﴿قُرَّةُ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ کہنے کے بعد ﴿اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ﴾ پڑھیں۔

● **حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عمل:**

محیط میں لکھا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کا نامِ پاک مؤذن سے سن کر انگوٹھوں کے ناخن اپنی آنکھوں پر رکھے۔ مضمرات میں لکھا ہے: جب جنت میں حضرت آدم علیہ السلام نورِ محمدی ﷺ کی زیارت کے مشتاق ہوئے تو حق تعالیٰ نے اپنے حبیب کے نور کو ان کے دونوں ناخنوں میں جلوہ گر فرما دیا اور انہوں نے انہیں بوسہ دے کر اپنی آنکھوں پر ملا۔ ان کی یہ سنت ان کی اولاد میں جاری ہوئی۔ پھر جبریل علیہ السلام نے جب یہ قصہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اذان میں میرا نام سنے اور انگوٹھوں پر بوسہ دے کر اپنی

آنکھوں پر ملے تو کبھی اندھا نہ ہوگا۔

● **حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دوسرا عمل:**

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مقاصد حسنہ میں دیلمی کی مسند الفردوس سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عادتِ کریمہ تھی کہ جب وہ مؤذن سے ﴿اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ سنتے تو اس کے جواب میں فرماتے ﴿اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيًّا﴾ اس کے بعد کلمے کی انگلیوں کے باطنی حصے پر بوسہ دیتے اور انہیں اپنی آنکھوں سے لگاتے۔

● **شفاعت کا حقدار بننا:**

کہا راوی نے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرا نام سُن کر جیسا کہ میرے دوست ابوبکر نے کیا ویسا جو بھی کرے گا اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگی۔

اسی طرح کی حدیث حضرت ابوالعباس احمد بن ابی بکر الرواد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ﴿موجبات الرحمة وعزائم المغفرة﴾ میں حضرت خضر علیہ السلام سے نقل کی ہے کہ جو شخص مؤذن کے کلمۂ شہادت کے جواب میں کہے ﴿اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ مَرْحَبًا بِحَبِيْبِيْ وَقُرَّةِ عَيْنِيْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ﷺ﴾ پھر اپنے انگوٹھوں کو بوسہ دے اور انہیں اپنی آنکھوں پر رکھے تو وہ کبھی آنکھوں کی بیماری میں مبتلا نہ ہوگا۔

پھر روایت کی ابوالعباس نے اپنے بھائی فقیہ محمد ابن البابا سے کہ ایک بار سخت ہوا

چلی جس سے ایک چھوٹی سی کنکری اُن کی آنکھ میں پڑ گئی۔ بہت کوشش کے باوجود کنکری آنکھ سے نہ نکل سکی یہاں تک کہ جب آنکھ دُکھنے لگی تو مؤذن سے کلمۂ اذان سُن کر حدیث پر عمل کیا، فوراً ہی کنکری نکل آئی۔ رواد کہتے ہیں کہ یہ بات حضور ﷺ کی بڑی بڑی فضیلتوں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔

یہاں تک مقاصدِ حسنہ کی عبارت تھی۔ اب مصنف کتاب رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ ملاحظہ فرمایئے۔ تحریر فرماتے ہیں: ”الحاصل دین و دُنیا میں ادب کی نہایت سخت ضرورت ہے۔ جس کسی کی طبیعت میں گستاخی اور بے ادبی کا مادہ ہوگا یقیناً اس کے دین میں کہیں نہ کہیں رخنہ ضرور ہوگا۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ جب شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے مقابلے میں یہ گستاخانہ جملہ کہا تھا ﴿اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ﴾ میں اس سے بہتر ہوں اور جس کے نتیجے میں وہ مردود بارگاہِ کبریائی ہوا۔ اسی وقت سے اولادِ آدم کی عداوت اس کے دل میں جم گئی اور باپ کا انتقام اولاد سے لینے کے لیے مختلف قسم کی تدبیر اس نے سوچی۔ مگر اس غرض کے لیے وہی تدبیر اُسے سب سے بہتر نظر آئی جس کا تجربہ خود اس کو اپنی ذات پر ہو چکا تھا کہ گستاخی اور بے ادبی مردودِ بارگاہ بنانے میں زبردست اثر رکھتی ہے۔ اس لیے اس نے ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ کی عام تعلیم شروع کر دی۔ چنانچہ ہر زمانے کے کفار انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں یہی کہتے رہے کہ تم ہماری ہی طرح ایک بشر ہو۔

گہرائی میں اتر کر سوچیے تو اس میں بھی وہی بات ہے جو ﴿اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ﴾ میں تھی۔ اگر کسی قدر فرق ہے تو تابع اور متبوع کی ہمتوں میں ہے۔“

﴿انوارِ احمدی،ص:275﴾

اس کی عبارت کا یہ حصہ بھی چشمِ بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔تحریر فرماتے ہیں: ''انبیاء علیہم السلام نے ہزارہا معجزے دکھائے مگر کفار کے دلوں میں ان کی عظمت اس نے جمنے نہ دی۔ پھر جن لوگوں نے ان کی عظمت کو مان لیا اور مسلمان ہو گئے اُن سے کسی قدر اِسے مایوسی ہوئی۔ کیونکہ اُن سے تو وہ بے باکی نہیں ہو سکتی تھی جو کفار سے ظہور میں آئی۔اب بہت غور وفکر کے بعد مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے اس نے بے ادبی کا دروازہ کھولا اور بے ادبی کو رَاست گوئی کا نام دیا۔اب کیسی ہی ناشائستہ بات کیوں نہ ہو اس لباس میں آراستہ کر کے احمقوں کے دماغ میں اتار دیتا ہے اور کچھ ایسا بے وقوف بنا دیتا ہے کہ راست گوئی کی دُھن میں نہ اُن کو کسی بزرگ کی حرمت وتوقیر کا خیال رہتا ہے اور نہ اپنے انجام کا اندیشہ۔''

﴿انوارِ احمدی،ص:275﴾

☆☆☆☆☆



تاریخ فتنۂ وہابیت

حضرت فاضل مصنف نے احادیث کی روشنی میں نہایت تفصیل کے ساتھ اس فتنہ کی نشاندہی فرمائی ہے۔ جس احساس کے تحت انہوں نے اس بحث کو اپنی کتاب میں جگہ دی ہے' وہ یہ ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے آخری زمانے میں ظاہر ہونے والے اس فتنہ کی کھول کھول کر نشاندہی فرمائی ہے اور احادیث کی کتابیں اُن روایات سے بھری پڑی ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے چھپایا جائے۔ اس لیے علم کی دیانتداری کا تقاضا ہے کہ اُسے عوام کے سامنے پوری وضاحت کے ساتھ رکھ دیا جائے تاکہ اپنے آپ کو وہ اس فتنہ کی زد سے بچانا چاہیں تو بچا سکیں۔

﴿ فتنہ وہابیّت کی ابتداء اور علاماتِ وہابیہ ﴾

اس سلسلے میں سب سے پہلے انہوں نے بخاری شریف کی وہ حدیث نقل کی ہے جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے اور آپ اموالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ ذوالخویصرہ نام کا ایک شخص جو قبیلہ بنو تمیم سے تعلق رکھتا تھا' حضور ﷺ کے سامنے کھڑا ہوا اور نہایت گستاخانہ جسارت کے ساتھ کہنے لگا: آپ انصاف سے مالِ غنیمت تقسیم کیجئے۔

حضور نبی پاک ﷺ نے اس گستاخانہ جملے پر اظہارِ ناراضگی کرتے ہوئے فرمایا: اگر میں انصاف نہ کروں تو اس دنیا میں کون انصاف کرنے والا ہے؟ اگر میں انصاف نہ کروں تو یقیناً تُو محروم و نامراد ہو جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی یہ گستاخی برداشت نہ ہو سکی۔ وہ فرطِ غضب میں اپنی

تلوار بے نیام کر کے کھڑے ہو گئے اور حضور ﷺ سے اجازت چاہی کہ میں اس گستاخ کا سر قلم کر دوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو! یہ اکیلا نہیں ہے۔ اس کی نسل سے ایک بہت بڑا گروہ پیدا ہوگا جو ایسی نمازیں پڑھیں گے کہ تم اپنی نمازوں کو اُن کی نمازوں کے مقابلے میں حقیر سمجھو گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن اُن کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے شکار کو چھیدتا ہوا تیر نکل جاتا ہے۔

اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے کنزالعمال میں بھی نقل کی گئی ہے۔ جس میں اتنا اضافہ ہے کہ اس کی پیشانی پر سجدے کا نشان تھا اور حضور ﷺ نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: اس گروہ کی علامت سر منڈانا ہے اور یہ گروہ رُوپ بدل بدل کر نکلتا رہے گا یہاں تک کہ اس کا آخری دستہ دجال کے ساتھ نکلے گا۔ وہ لوگ تمام مخلوقات سے بدتر ہیں۔

اب حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ایمان افروز تبصرہ پڑھیے: ''اس حدیث سے ظاہر ہے کہ وہ شخص نہایت عابد تھا کہ کثرتِ صلوٰۃ سے اس کی پیشانی میں گٹھہ پڑ گیا تھا۔ ان احادیث میں تامل کرنے کے بعد ہر شخص معلوم کر سکتا ہے کہ باوجود کثرتِ عبادت اور ریاضتِ شاقہ کے وہ شخص اور اُس کے ہم خیال بدترین مخلوقات ٹھہرے۔ وجہ اس کی سوائے بے ادبی اور طبعی گستاخی کے اور کوئی نہیں نکلے گی۔''

﴿انوارِ احمدی' ص: 280﴾

اسی مضمون کی تیسری حدیث حضرت امام احمد' طبرانی اور حاکم نے حضرت عبداللہ

ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کچھ لوگ مشرق کی طرف سے نکلیں گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن اُن کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔ جب ایک سینگ کاٹی جائے گی تو دوسری نکل آئے گی یعنی جب ایک فرقے کا نام ونشان مٹ جائے گا تو دوسرا فرقہ ظہور کرے گا۔ یہاں تک کہ اس کا آخری دستہ دجال کے ساتھ ہوگا۔

اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف ؒ کا یہ بیان چشمِ بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے: ''چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ خوارج بھی مشرق ہی کی طرف سے نکلے اور وہابی بھی مشرق ہی کی طرف سے ظاہر ہوئے۔ غالباً یہ وہی فرقہ ہے جس کی طرف حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔'' ﴿انوارِ احمدی' ص: 307﴾

﴿ مقامِ ظہورِ فتنۂ وہابیّت ﴾

وہ حدیث یہ ہے جو حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دن حضور اکرم ﷺ نے ملک شام اور ملک یمن کے بارے میں دعا فرمائی کہ اے اللہ! ہمارے ملکِ شام اور یمن میں برکت دے۔ اس موقع پر ملک نجد کے لوگ بھی موجود تھے انہوں نے درخواست کی کہ یارسول اللہ! ہمارے نجد کے بارے میں بھی برکت کی دُعا فرمائیں۔ حضور ﷺ نے پھر ملکِ شام اور ملکِ یمن کے بارے میں برکت کی دعا فرمائی۔ جب دوسری بار پھر نجد کے لوگوں نے اصرار کیا تو حضور ﷺ نے حقیقت کے چہرے سے نقاب اُلٹ دیا اور فرمایا: وہاں زلزلے اور فتنے برپا ہوں گے اور وہاں سے شیطان کی سینگ نکلے گی۔ اس حدیث کو حضرت امام بخاری ؒ نے اپنی کتاب

بخاری شریف' میں نقل کیا ہے۔

اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف ؒ کا یہ حقیقت افروز تبصرہ پڑھیے: ''اس حدیث شریف سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوا کہ نجد سے فتنے برپا ہوں گے اور اُوپر کی حدیث میں گزرا کہ وہ لوگ مشرق سے نکلیں گے اگرچہ مشرق عام ہے کہ ہندوستان بھی مدینہ طیبہ کے مشرق ہی میں واقع ہے لیکن مدینہ شریف کے عوام اور خواص نجد ہی کو شرق اور وہابیوں کو شرقی کہا کرتے تھے جن کی اقامت ملک نجد میں ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ان حدیثوں سے وہابیوں کا فتنہ مراد ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے ان کی چند علامتیں بیان فرمائی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ وہ مشرق سے نکلیں گے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور دوسری یہ کہ وہ بات نہایت ہی عمدہ کہیں گے۔ ایک علامت یہ ہے کہ ان کی جماعت میں داخل ہونے کے بعد کوئی وہاں سے واپس نہیں لوٹے گا۔'' ﴿انوارِ احمدی' ص: 310﴾

ایمان کی قیمت:

اس مضمون کی متعدد حدیثیں نقل کرنے کے بعد فاضل مصنف ؒ نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ مسلمانوں کو چونکا دینے کے لیے کافی ہے۔ مسافروں کو راستے کے سنگین خطرات سے باخبر کرنے والا دشمن نہیں ہوتا' یہاں مسلمانوں کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ جان سے زیادہ قیمت ایمان کی ہے کیونکہ جان اگر ضائع ہو جائے تو مرنے کے بعد پھر مل جائے گی لیکن ایمان ضائع ہو گیا تو دوبارہ اس کا حصول ناممکن ہے۔

اسی بنیاد کو سامنے رکھ کر حضرت فاضل مصنف ؒ کا یہ تبصرہ پڑھیے: ''اس میں

شک نہیں کہ کوئی باطنی خرابی اس فرقہ میں ضرور ہے۔ جس کی وجہ سے مخبر صادق ﷺ نے فرمایا کہ دین سے نکل جانے کے بعد پھر وہ دین میں پلٹ کر نہیں آئیں گے۔ مگر بظاہر ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ حمایتِ توحید اور دفعِ شرک و بدعت کے غرور میں یہ لوگ محبوبانِ بارگاہِ الٰہی کی نہ صرف توہین کرتے ہیں بلکہ اصولِ دین کی طرح دوسروں کو اس کی تعلیم بھی دیتے ہیں، جس کی وجہ سے غیرتِ الٰہی انہیں اپنے غضب کا نشانہ بناتی ہے۔"

﴿انوارِ احمدی، ص: 311﴾

﴿بانی فرقۂ وہابیت کا تعارف﴾

اس فرقے کا بانی محمد ابنِ عبدالوہاب نجدی ہے۔ ذوالخویصرہ نام کا مشہور گستاخ جس کا ذکر کئی حدیثوں میں آیا ہے، وہ قبیلۂ بنی تمیم سے تھا اور ابنِ عبدالوہاب بھی تمیمی ہے۔ فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ کچھ تعجب نہیں کہ وہ اسی کی نسل سے ہو۔ اس فرقے کی ایک علامت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ وہ نہایت التزام کے ساتھ اپنے سر کے بال منڈوائیں گے۔

حضرت فاضل مصنف نے شیخ عبدالرحمٰن اہدل مفتی زبید کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ابنِ عبدالوہاب نجدی کی حقیقت سمجھنے کے لیے وہ نشانی بہت کافی ہے جس کی خبر مخبرِ صادق ﷺ نے دی ہے کہ وہ پابندی کے ساتھ سر منڈوایا کریں گے۔

اس فرقہ کی جتنی علامتیں بیان کی گئی ہیں، انہیں حالات و واقعات پر منطبق کرنے کے بعد فاضل مصنف ؒ تحریر فرماتے ہیں: "علاماتِ مذکورہ بالا سے ثابت ہے کہ مخبر صادق ﷺ فرقۂ وہابیہ کے نکلنے کی خبر دے چکے ہیں اور جو علامتیں حضور ﷺ نے

بیان کی ہیں وہ سب ان میں پائی گئی ہیں۔

ان احادیث مذکورہ بالا کے علاوہ حضرت علامہ زینی دحلان مکی کی مستند کتاب ﴿الدُّرَرُ السَّنِیہ﴾ میں اور بھی بہت سی علامتیں اس گروہ کی مذکور ہیں۔ احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ فرقۂ وہابیہ خوارج کی ایک شاخ ہے۔ مگر اس وجہ سے کہ نئے طور پر اس کا خروج ہوا، اس لیے اس کا نام جداگانہ قرار پایا اور وہ فرقہ اپنے بانی کی طرف منسوب ہوا۔ اسی وجہ سے یہ لوگ اپنے آپ کو محمدی کہتے ہیں مگر محتاط علماء نے جب دیکھا کہ عوام الناس اُنہیں ضرور برا بھلا کہیں گے اور اِس میں حضور ﷺ کے نامِ مبارک کے لفظ کی توہین ہوگی، اس لیے وہ "وہابی" کے نام سے موسوم کر دیئے گئے۔"

﴿انوارِ احمدی، ص: 314﴾

﴿بانی فرقۂ وہابیہ کے مظالم﴾

اب اس فرقہ وہابیہ کے بانی اور اُس کے ساتھیوں نے اہلِ حق پر جو مظالم ڈھائے ہیں اور منصبِ رسالت کی تنقیص کر کے اہلِ اسلام کی جو دل آزاریاں کی ہیں، ان کی تفصیلات فاضل مصنف کے قلم سے پڑھیے۔ کلیجہ تڑپے گا، آنکھوں سے لہو کی بوند ٹپکے گی، جذبۂ عقیدت مجروح ہوگا اور فرطِ غضب سے دل کا عالم زیروزبر ہونے لگے گا، لیکن یہ پوری کہانی صبر وضبط کے ساتھ آپ کو پڑھنی ہے تا کہ رسول دشمنی کے کردار سے آپ پوری طرح واقف ہو جائیں۔

فاضل مصنف ؒ تحریر فرماتے ہیں: "خوارج کی طرح اس فرقہ کو بھی عمل میں نہایت غلو تھا۔ یہاں تک کہ تارکِ فرض کو یہ لوگ کافر اور حلال الدم سمجھتے تھے۔ عقیدۂ

توحید میں وہ اِس قدر متشدد تھے کہ یارسول اللہ! کہنے والے اور بزرگوں سے مدد مانگنے والے کو یہ لوگ کافر سمجھتے تھے۔ ابنِ عبدالوہاب ہر جمعہ کے خطبہ میں کہا کرتا کہ جو شخص نبی کا وسیلہ پکڑے وہ کافر ہے۔ زیارتِ قبور کو وہ ناجائز سمجھتے تھے۔

چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک قافلہ مقامِ ''احسا'' سے آنحضرت ﷺ کے روضۂ مبارک کی زیارت کی غرض سے مدینہ طیبہ حاضر ہوا۔ واپسی کے وقت جب وہ قافلہ ''درعیہ'' پہنچا جہاں ابنِ عبدالوہاب کا ہیڈکوارٹر تھا' اس نے ان لوگوں کی یہ سزا مقرر کی کہ ان کی ڈاڑھیاں مُنڈوائی جائیں اور گدھوں پر اس رُسوائی کے ساتھ انہیں سوار کرایا جائے کہ ان کا منہ دُم کی طرف ہوتا کہ اس بات کی اچھی طرح تشہیر ہو جائے کہ جو حضور ﷺ کی زیارت کے لیے جائے' اس کی یہ سزا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

بدعت سے ان لوگوں کو اس قدر اجتناب تھا کہ دلائل الخیرات شریف کی سینکڑوں جلدیں جلادی گئیں۔ ایک نابینا شخص مسجد کے مینار پر کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھتا تھا' اسے قتل کرا دیا گیا۔ ابنِ عبدالوہاب کہتا تھا کہ جمعہ کی رات اور دن میں جو شخص درود پڑھتا ہے' وہ دوزخی ہے۔ جو حضور ﷺ کے نامِ پاک کے ساتھ سیّدنا کا لفظ لگاتا ہے وہ کافر ہے۔ کبھی کہتا کہ مجھے قدرت ملی تو میں گنبدِ خضرا کو ڈھادوں گا۔ وہ کہتا تھا کہ میری لاٹھی حضور سے بہتر ہے کہ اس سے میرا کام نکلتا ہے۔''

﴿انوارِ احمدی' ص:316﴾

ایک انتہائی عبرتناک واقعہ:

مصنف ابنِ ابی شیبہ کے نام سے حدیث کی ایک نہایت مستند کتاب ہے۔ اس

میں حضرت ابوطفیل رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک نہایت عبرت انگیز واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ اسے چشمِ بصیرت سے پڑھیے اور اندازہ لگایئے کہ بدعقیدوں کی صحبت میں بیٹھنے کا اثر دین وایمان کی برکتوں پر کیا پڑتا ہے؟

''راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانۂ پاک میں ایک لڑکا ہوا۔ جب حضور کی خدمت میں اسے پیش کیا گیا تو آپ نے اُسے دعا دی اور اُس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دبایا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اس کی پیشانی پر اتنے خوبصورت بال اُگ آئے جو تمام بالوں سے ممتاز تھے۔ جب وہ لڑکا جوان ہوا اور اُن خوارج کا زمانہ آیا جن کی بد عقیدگی اور گستاخی بہت ساری حدیثوں میں مذکور ہے۔

آج کی تبلیغی جماعت کی طرح اس وقت کے خارجی بھی طرح طرح کی ترغیب دے کر نوجوانوں کو اپنی جماعت میں شامل کرتے تھے۔ بدقسمتی سے وہ نوجوان بھی ان کے بہکاوے میں آگیا اور ان کی جماعت میں شامل ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس کے دل میں ان کی محبت گھر کر گئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اس کی پیشانی کے سارے بال جھڑ گئے۔

اس کے باپ نے جب بیٹے کا یہ حال دیکھا تو اسے گھر میں قید کر دیا۔ حضرت ابو طفیل فرماتے ہیں کہ ہم لوگ اس نوجوان کے پاس گئے اور اسے سمجھایا کہ ان کی صحبت کی نحوست کا اثر تم نے دیکھ لیا کہ رسولِ انور ﷺ کی دعا کی برکت تمہاری پیشانی سے جاتی رہی۔ فرماتے ہیں کہ جب تک اس نے اپنی رائے سے رجوع نہیں کیا ہم اُسے ہر طرح کہ رسولِ انور ﷺ کی دعا کی برکت تمہاری پیشانی سے جاتی رہی۔ فرماتے ہیں کہ جب تک اس نے اپنی رائے سے رجوع نہیں کیا ہم اُسے ہر طرح سمجھاتے

رہے۔ یہاں تک کہ جب اس کے دل سے اُن کی محبت نکل گئی اور اُن کے عقائد سے اس نے توبہ کر لی تو دستِ مبارک کی وہی نشانی پھر اس کی پیشانی میں حق تعالیٰ نے پیدا کر دی۔"

﴿انوارِ احمدی، ص:304﴾

اس واقعہ پر فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ:

اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "اس حدیث سے کئی اُمور مستنبط اور ثابت ہوتے ہیں، ایک یہ کہ جہاں آنحضرت ﷺ کا دستِ مبارک لگ گیا اس مقام کو ہمیشہ کے لیے خصوصیت اور برکت حاصل ہو گئی۔

دوسرا یہ کہ ان برکتوں کے ظہور کے لیے وہی لوگ خاص کیے جاتے تھے جو برگزیدہ ہوں۔ پھر جہاں ان میں کسی قسم کی خرابی آ گئی وہ برکت جاتی رہی تاکہ طالبانِ حق کو اس سے عبرت حاصل ہو۔ نیز اس طرح کا فیض انہی لوگوں کو حاصل ہو سکتا تھا جو اہلِ باطل اس سعادت سے محروم رہتے تھے۔ تیسرا یہ کہ جس کو آنحضرت ﷺ نے از راہِ شفقت دستِ مبارک لگا دیا، عقائدِ باطلہ کا اثر اس کے دل میں راسخ نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ باطل عقائد اس کے دل میں راسخ نہیں ہوتے تھے، اس لیے اسے توبہ نصیب ہوئی ورنہ احادیث کی صراحتوں کے مطابق باطل فرقے کا اثر جس کے دل پر جم جاتا ہے وہ کبھی راہِ راست پر نہیں آ سکتا۔"

﴿انوارِ احمدی، ص:305﴾

﴿ہندوستان میں وہابی فرقے کی نشاندہی﴾

پچھلے اَوراق میں حضرت فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے وہابی فرقے کی تاریخ

آپ پڑھ چکے۔ کئی صفحات پر پھیلی ہوئی بحث کے مطالعے سے اتنی آگہی تو آپ کو ضرور ہو گئی ہو گی کہ عہدِ رسالت سے لے کر آج تک ایک باطل اور گستاخ فرقہ رُوپ اور نام بدل بدل کر ہر زمانے میں موجود رہا ہے۔ جانبِ مشرق یعنی نجد سے جس فتنے کے ظہور کی حضور ﷺ نے خبر دی ہے، یہ خبر غلط نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ ایک مخبرِ صادق کی خبر ہے۔ اس لیے آپ کا ایمانی فریضہ ہے کہ اُس گروہ کو آپ تلاش کریں، علامتوں کے ذریعے اُسے پہچانیں اور اُس کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔

ہندوستان میں وہابی مسلک کے علمبرداروں کی نشاندہی کے سلسلے میں بجائے اس کے کہ ہم کوئی بات اپنی طرف سے کہیں، انہی حضرات کا اقراری بیان ہم اس کتاب کے قارئین کے سامنے رکھ دینا چاہتے ہیں۔

﴿علماءِ دیوبند کا اعلانِ وہابیّت﴾

● پہلا اِقراری بیان:

دیوبندی جماعت کے مقتدر پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی کا سوانح نگار لکھتا ہے کہ جن دنوں تھانوی صاحب کانپور کے مدرسہ "جامع العلوم" میں مدرس تھے، انہی دنوں کا واقعہ ہے کہ محلّے کی چند عورتیں فاتحہ کرانے کے لیے مٹھائی لے کر مدرسہ میں آئیں۔ تھانوی صاحب کے طلبہ نے فاتحہ دینے کے بجائے مٹھائی لے کر خود کھالی۔ اس پر بڑا ہنگامہ ہوا۔ تھانوی صاحب کو خبر ہوئی تو وہ آئے اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "بھائی! یہاں وہابی رہتے ہیں یہاں فاتحہ نیاز کے لیے کچھ مت لایا کرو۔"

﴿اشرف السوانح، ج:1، ص:45﴾

● دوسرا اِقراری بیان:

دیوبندی جماعت کے دوسرے مقتدر پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی اپنے فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: ''محمد ابنِ عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں' اُن کے عقائد عمدہ تھے۔''
﴿فتاویٰ رشیدیہ' ج:1' ص:111﴾

● تیسرا اِقراری بیان:

تبلیغی جماعت کے مرکزی قائدین میں مولوی زکریا شیخ الحدیث سہارنپور' مولوی ابوالحسن علی ندوی اور مولوی منظور احمد نعمانی کے نام سرورق پر ہیں۔ ''سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی'' نامی کتاب جو ''دارالعلوم ندوۃ العلماء'' لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں مولوی منظور احمد نعمانی' مولوی محمد الیاس کے مرض الموت میں ان کی جانشینی کے مسئلے پر اپنی بے چینیوں کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

پس دیوار کا راز فاش کرنے والی یہ کہانی پوری توجہ کے ساتھ پڑھیے: ''ایک رات کو اس ناچیز اور رفیق محترم مولانا علی میاں نے اس بارے میں دیر تک غور و فکر اور باہم مشورہ کیا اور ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر حضرت کے بعد یہاں دعوتی کام کے مرکز نظام الدین میں کسی ایسی شخصیت کا قیام رہے جس کے ساتھ حضرت مولانا الیاس اور ان کی دعوت سے تعلق رکھنے والے پورے حلقہ کو عقیدت و محبت ہو تو پھر انشاء اللہ یہ کام اسی طرح چلتا رہے گا اور ایسی شخصیت اس وقت ہماری نظر میں صرف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کی تھی۔''
﴿سوانح محمد یوسف کاندھلوی' ص:190﴾

اس کے بعد اپنے بیان کے مطابق اگلے دن صبح کے وقت نعمانی صاحب نے

مولوی محمد زکریا صاحب سے ملاقات کی اور اُن کے سامنے اپنے ساتھیوں کی یہ تجویز رکھی کہ وہ تبلیغی جماعت کے امیر کی حیثیت سے مرکز میں اپنا قیام منظور فرمائیں۔

اس سلسلے میں نعمانی صاحب اپنی گفتگو کا ایک نہایت اہم حصہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اس پورے واقعہ میں ان کی گفتگو کا یہی حصہ میری تحریر کا اصل مدعا ہے: ''اِسی کے ساتھ ہم نے یہ بھی عرض کیا کہ اگر ایسا نہ ہوا تو تھوڑے ہی دنوں بعد یہ سارا مجمع منتشر ہو جائے گا اور ہم خود اپنے بارے میں بھی صفائی سے عرض کرتے ہیں کہ ''ہم بڑے سخت وہابی ہیں'' ہمارے لیے اس بات میں کوئی خاص کشش نہ ہوگی کہ یہاں حضرت کی قبر مبارک ہے' یہ مسجد ہے' جس میں حضرت نماز پڑھتے تھے' یہ حجرہ ہے جس میں حضرت رہا کرتے تھے۔''
﴿سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی' ص:192﴾

● چوتھا اِقراری بیان:

اب ذیل میں مولوی محمد زکریا صاحب کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔ انہوں نے کہا: ''اگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ میرے بارے میں ہوا تو مجھ سے کسی کے کہنے کی ضرورت نہیں۔ پھر میں خود یہاں رہوں گا بلکہ اگر تم سب مل کر مجھے نکالنا چاہو گے جب بھی یہیں رہوں گا۔ اگر کسی اور کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوا تو تم بھی اُس کو دیکھ لو گے اور میں بھی دیکھ لوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اُسی سے یہ کام لے گا۔ بس انتظار کرو! اللہ سے دعا کرو! اگر دیکھو کہ اِن میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی تو مولوی صاحب ''میں خود تم سے بڑا وہابی ہوں'' تمہیں مشورہ دوں گا کہ حضرت چچا جان کی قبر اور حضرت کے

حجرہ اور دَرودِیوار کی وجہ سے یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔''

﴿سوانح مولانا محمد یوسف'ص:193﴾

تھانوی صاحب سے لے کر مولوی منظور احمد نعمانی اور مولوی محمد زکریا صاحب تک تبلیغی جماعت کے سارے قائدین کا یہ اقراری بیان آپ کے سامنے ہے کہ ''ہم وہابی ہیں'' ''میں بڑا سخت وہابی ہوں'' ''میں تم سے بڑا وہابی ہوں''۔ کوئی دوسرا اِن کے بارے میں یہ کہتا تو الزام سمجھا جاتا لیکن خود اپنے اقرار کا مطلب سوا اِس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ واقعۃً یہ حضرات ''وہابی'' ہیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ یہ اقرار انہوں نے اپنی نجی گفتگو اور تنہائی کی ملاقات میں کیا ہے' اس لیے اُسے کسی اور معنٰی پر محمول کرنے کا یہاں کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

واضح رہے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی کی صراحت کے مطابق ابنِ عبدالوہاب نجدی کی پیروی کرنے والوں کو ''وہابی'' کہتے ہیں۔ اتنی مضبوط اور ٹھوس شہادتوں کے بعد اب آپ کو انگلی اٹھا کر دکھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہابی کون ہے؟ اور کون سا طبقہ وہابی مذہب کے خلاف سینہ سپر ہے؟

اگر اپنے نبی ﷺ کے ساتھ آپ کے دل کا رشتہ صحیح ہے تو آپ کے لیے یہ فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ آپ کس کے ساتھ ہیں۔

﴿وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ﴾

☆☆☆☆☆

﴿الحمد اللہ' تمت بالخیر﴾

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا توہین رسالت پر فیصلہ

﴿اَلآنَ عَزَّ الْاِسْلَامُ: آج اسلام غالب (معزز) ہوگیا﴾

﴿وَمِمَّا جَاءَ فِي لَعْبِ الْغِلْمَانِ مَا حُكِيَ أَنَّ غِلْمَانًا مِنْ أَهْلِ الْبَحْرَيْنِ خَرَجُوْا يَلْعَبُوْنَ بِالصَّوَالِجَةِ وَأُسْقُفُ الْبَحْرَيْنِ قَاعِدٌ، فَوَقَعَتِ الْكُرَّةُ عَلٰى صَدْرِهِ، فَأَخَذَهَا، فَجَعَلُوْا يَطْلُبُوْنَهَا مِنْهُ فَأَبٰى، فَقَالَ غُلَامٌ مِّنْهُمْ: سَأَلْتُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم اِلَّا رَدَدْتَّهَا عَلَيْنَا، فَأَبٰى لَعَنَهُ اللّٰهُ وَسَبَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم، فَأَقْبَلُوْا عَلَيْهِ بِصَوَالِجِهِمْ، فَمَا زَالُوْا يَخْبِطُوْنَهُ حَتّٰى مَاتَ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، فَرُفِعَ ذٰلِكَ اِلٰى عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَوَاللّٰهِ مَافَرِحَ بِفَتْحٍ وَلَا غَنِيْمَةٍ كَفَرْحَتِهٖ بِقَتْلِ الْغِلْمَانِ لِذٰلِكَ الْأُسْقُفِ، وَقَالَ: اَلْآنَ عَزَّ الْاِسْلَامُ اِنَّ أَطْفَا لاً صِغَارًا شُتِمَ نَبِيُّهُمْ فَغَضِبُوْا لَهٗ وَانْتَصَرُوْا وَأَهْدَرَ دَمَ الْأُسْقُفِ﴾

﴿اَلْمُسْتَطْرَفُ فِيْ كُلِّ فَنٍّ مُسْتَظْرَفٍ، امام شہاب الدین محمد بن احمد ابی الفتح الابشیہی، باب: ۷۵، صفحہ ۶۸۹، مطبع: موسسۃ المختار قاہرہ، مصر﴾

ترجمہ:۔ بحرین میں چند بچے ہاکیوں سے کھیل رہے تھے اور بحرین کے عیسائیوں کا (بڑا پادری) بشپ بھی (قریب ہی) بیٹھا ہوا تھا۔ دورانِ کھیل گیند اس کے سینے پر جا لگی۔ اُس نے گیند اٹھا کر (اپنے پاس رکھ لی اور) مِنّت سماجت کے باوجود (گیند) دینے سے انکار کر دیا۔ بچوں میں سے ایک نے آگے بڑھ کر گیند واپس کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا ﴿سَأَلْتُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم اِلَّا رَدَدْتَّهَا عَلَيْنَا﴾ تمہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ گیند ہمیں واپس کر دو۔ اُس ملعون نے گیند واپس دینے کی بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کر دی۔ (پادری کی طرف سے توہین رسالت ہوتے ہی) غیرتِ اسلامی سے سرشار ننھے منے محمدی شیروں نے اس ملعون پادری کو ہاکیوں ہی سے مار مار کر واصلِ جہنم کر دیا۔

یہ مقدمہ خلیفۂ وقت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش کیا گیا (تو اُس وقت آپ کی کیفیت دیدنی تھی)۔ راوی کہتے ہیں کہ اس واقعہ سے قبل سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بڑی بڑی فتوحات حاصل ہوئیں اور بیش قیمت مالِ غنیمت بھی ملا لیکن آپ اِن سب چیزوں سے اتنا خوش نہ ہوئے جتنا اُن بچوں کے ہاتھوں گستاخ رسول عیسائی پادری کے قتل پر خوش تھے۔ اس موقع پر آپ نے تاریخ ساز جملہ ارشاد فرمایا ﴿اَلآنَ عَزَّ الْاِسْلَامُ﴾ یعنی (گستاخ رسول کے ناپاک وجود سے زمین کو پاک کرنے کی برکت سے) آج اسلام غالب (معزز) ہوگیا۔

پھر عیسائیوں کو مخاطب ہو کر فرمایا جب ان بچوں کے آقا و مولا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گندی زبان استعمال کی گئی تو کیا پھر بھی وہ غصے میں نہ آتے؟ اور اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفاداری کا ثبوت نہ دیتے؟ (اس کے بعد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس گستاخ پادری کے قتل کو درست قرار دیتے ہوئے بچوں کے حق میں فیصلہ صادر کیا اور فرمایا) سنو! اس (گستاخ) عیسائی پادری کے خون کی کوئی قیمت نہیں۔